تم میری کون ہو

رشکِ حبیبہ

پاکستانی پوائنٹ ڈاٹ کام

تم میری کون ہو

رشکِ حبیبہ

کتابی شکل: پاکستانی پوائنٹ ڈاٹ کام

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

تم میری کون ہو

کسی مانوس سی آہٹ کا اشارہ پا کر
دھیان کے طاق میں سجتے ہیں پری خانے سے
خواہشیں دل میں کھلاتی ہیں ستارے کیا کیا
آنکھوں میں خواب کا اک چاند اُتر آنے سے

دوپہر رفتہ رفتہ سہ پہر میں ڈھل رہی تھی۔ ٹھنڈی ہوا کی سرسراہٹ اور دوڑتی بھاگتی موجوں کا شور سمندر کے اضطراب کا ترجمان تھا۔ مگر میرے آس پاس جیسے ویرانی رقصاں تھی۔ لوگ بہت دور سے نقطوں کی

مانند دکھائی دے رہے تھے۔ سمندر کے آخری سرے پر نظریں جمائے میں دنیا کی چہل پہل سے دور نکل آیا تھا۔

"کل میں سمندر کے اس طرف اسی سورج کی طرح غروب ہوجاؤں گا۔"

روح میں شور برپا تھا، نارسائی کا کرب دل کو مٹھیوں میں لیے بھینچ رہا تھا۔ سمندر کے پانی پر سورج کی کرنوں نے گویا آگ لگا رکھی تھی۔ سنہرا پانی اور اس میں لہروں کی سطح پر بنتا جھاگ بالکل میری وحشتوں کی ترجمانی کر رہا تھا۔ میں نے ہَوا سے بکھرتے بالوں پر ہاتھ پھیرا اور جیب سے وائر لیس سیل فون نکال لیا۔ سیف کا میسج تھا۔ میں پڑھے بنا ریپلائی پر چلا گیا۔ اور ٹائپنگ شروع کردی۔ بے خودی حدِّ کمال پر تھی۔

تم کسی دھند میں لپٹی ہوئی تنہائی ہو
میری وحشت ہو، دعا ہو، میری رسوائی ہو
گنگناتی ہو تو محسوس یہ ہوتا ہے مجھے
جیسے دریاؤں کے ساحل سے صدا آتی ہو

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

بات کرتی ہو کبھی چپ میں بکھر جاتی ہو
کیوں میری روح کے گوشوں پر ستم ڈھاتی ہو
تم میری کون ہو تم سے ہے تعلق کیسا
تم میری کون ہو تم سے ہے تعلق کیسا

بہت بے اختیار ہو کر یہ پیغام میں نے اس تک پہنچانے کے لیے ہَوا کے سپرد کیا۔ ڈوبتا سورج بھی میری طرح ملول اور اُداس تھا۔ میسج بھیج کر میں نے سیل فون واپس جیب میں ڈالنا چاہا۔ جب سیل فون کی بجتی مدھر سی دُھن پر میرے ہاتھ تھمے میں نے دیکھا بنا فون آن کر کے کان سے لگالیا۔

"پپ... پلیز... پلیز مجھے یہاں سے لے جائیے یہاں بہت شور ہے۔ فائرنگ... فائرنگ ہو رہی ہے یہاں... میں... کسی کا فون نہیں لگ رہا پلیز میں، مجھے...!" اس طرف وہی تھی۔ گھبرائی ہوئی، سسکتی، ڈری سہمی،

میں پریشان ہو اٹھا۔اگلی طرف بہت شور تھا۔گاڑیوں کے ہارن کا، بھاگ دوڑ کا اور گولیوں کی گونج۔

”کیا ہوا ہے... کہاں ہو تم؟“ میں گھبرا اٹھا اور گاڑی کی طرف بڑھا۔

”میں سپر اسٹور کے سامنے... مجھے نہیں پتا کیا ہوا ہے؟“ وہ حد سے زیادہ گھبرائی ہوئی تھی۔اس نے کسی طرح مجھے وہاں کی لوکیشن سمجھائی اور میں گاڑی فل اسپیڈ سے دوڑانے لگا۔

...☆☆☆...

روشن صبح نے دریچے پر دستک دی۔پرندوں کی گنگناہٹ میں رات نے اپنی کالی چادر سمیٹ کر جاتے ہوئے طلوع ہوتے ہوئے سورج کو خوش آمدید کہا اور مغرب کی وادیوں میں ڈھل گئی۔کچھ پل میں کھڑکی سے آتی سنہری کرنوں نے کمرے کی چیزوں کو بھی سنہرا کردیا۔اسی تازہ کرن نے میری پلکوں کے در کھٹکھٹائے تو میں نے کسمساتے ہوئے اَدھ کھلی آنکھوں کے ساتھ کروٹ لی اور خوب صورت خواب کے باعث

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

مسکراتے لبوں کے ساتھ پھر سے پلکوں کو جوڑ لیا۔لیکن اگلے ہی لمحے آنکھیں پٹ سے کھول دیں۔

”آج کالج کا پہلا دن ہے۔“ اسی خیال کے ساتھ میں ہڑ بڑا کر اُٹھی تھی۔

دیوار گیر گھڑی نے ساڑھے سات کا وقت بتایا تو میں نے پُر سکون سانس لی۔بکھرے بالوں کو دونوں ہاتھ سے سمیٹتے ہوئے اور آنکھیں ملتی ہوئی واش روم میں بند ہوگئی۔

میں تیار ہو کر نیچے ڈائیننگ روم میں پہنچی تو بابا اور فری ناشتا کر چکے تھے۔مما کچن میں تھیں۔بابا اخبار کی خبروں پر نظریں دوڑا رہے تھے۔مجھے دیکھ کر مسکرائے۔فری وہیں بیٹھی چائے پیتے ہوئے غالباً کچھ پڑھ رہی

تھی۔میں نے کرسی گھسیٹ کر بیٹھتے ہوئے جوس کے جگ کی طرف ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ مماکچن سے انڈے پراٹھے کا ناشتا لیے چلی آئیں۔انہوں نے ٹرے میرے سامنے دھری تو میں نے پیٹ میں پڑتے بلوں کی گنتی شروع کردی۔

”السّلام علیکم!“ مجھ سمیت سب نے ہی دروازے کی سمت دیکھا جہاں ترو تازہ اور نک سک سے تیار ابدال ماموں کھڑے تھے۔

”آؤ ابدال ناشتا کرو۔“ مما نے بابا کے سامنے سر جھکا کر پیار لیتے ابدال ماموں کو ناشتا آفر کیا۔

”نہیں آپا! گھر سے چائے پی کر نکلا ہوں، ناشتے کی خواہش نہیں تھی اس لیے نہیں کیا۔آفس میں تھوڑی دیر سے کچھ لے لوں گا۔“ انہوں نے تفصیل سے کہتے کلائی الٹ کر گھڑی دیکھی۔

”چلو اب تم دونوں اٹھو فٹا فٹ، ابدال کو دیر ہوجائے گی۔“ مما نے مجھے بے دلی سے لقمہ توڑتے دیکھ کر گھورا۔میں منہ بسورنے لگی۔

”نہیں مجھے دیر نہیں ہو رہی تم ناشتا کرلو میں دس منٹ انتظار کرسکتا ہوں۔“ وہ مزے سے کہہ کر بابا کے ساتھ گفتگو میں مصروف ہوئے۔ میں نے بہ مشکل آدھا پراٹھا ختم کر کے ناشتے سے ہاتھ کھینچ لیا۔

پھر ہم تینوں ساتھ ہی نکلے تھے۔فری کا انسٹیٹیوٹ گھر سے دس منٹ کے فاصلے پر تھا۔اس کے آگے چالیس منٹ کی مسافت پر میرا کالج اور غالباً بیس منٹ کا راستہ ابدال ماموں کے آفس کا تھا۔ویسے تو ہم اسکول کے زمانے سے ساتھ رہے ہیں مگر فری کے انسٹیٹیوٹ اور ابدال ماموں کے آفس جانے کی وجہ سے بھی ہماری روٹین میں کوئی فرق نہیں پڑا۔پہلے ہم وین سے آتے جاتے تھے اور جب سے ابدال ماموں نے گاڑی لی تب سے وہ ہمیں ڈراپ کرنے کی ذمہ داری بخوبی نبھا رہے تھے۔

فری کا انسٹیٹیوٹ آنے پر وہ چلی گئی اور میں فرنٹ سیٹ پر آگئی۔

”بہت ایکسائٹڈ ہو؟“ ابدال ماموں گیئر بدلتے ہوئے مسکرائے۔

"ایسی ویسی، اسکول کی بورنگ لائف ختم ہوئی تھینک گاڈ۔" میں نے چہکتے ہوئے لا اُبالی انداز اپنایا۔

"ہاں! لیکن اسکول لائف بورنگ ہونے کے ساتھ ساتھ ایزی بھی ہوتی ہے۔ کالج کی ٹف لائف کا اندازہ نہیں ابھی تمہیں۔" انہوں نے مجھے ڈرایا۔

"اسی ٹف لائف میں تو مزہ ہے تھرل ہے۔" میں پھر چہکی۔

"مجھے لگ رہا ہے تم کچھ زیادہ ہی بڑی ہوگئی ہو۔" وہ متعجب ہوئے۔

"جی جناب! میں اب بڑی ہوچکی ہوں۔ پتا ہے آج میں بہت خوش ہوں۔" میں نے آنکھیں میچ کر کہا۔"اب کچھ نیا ہوگا مجھے تبدیلی مزہ دیتی ہے۔ روٹین میں، رشتوں میں، دوستی میں اور... اور شاید زندگی میں بھی۔" میں نے مسکراتے ہوئے ان کی طرف دیکھا وہ مجھے ہی دیکھ رہے تھے۔ ایسے جیسے پہلی بار دیکھ رہے ہوں۔ چمکتی روشن آنکھیں اور فراخ پیشانی ان کی اُجلی رنگت دمک رہی تھی اور وجود نکھرا ستھرا ہلکا ہلکا سا تھا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"ماموں کیا ہوا؟" میں نے بغور ان کا جائزہ لیا پھر انہیں چونکا دیا۔ وہ سیدھے ہوئے۔

"میں سوچ رہا ہوں تم کتنی میچور ہوگئی ہو، کتنی بڑی بڑی باتیں کرنے لگی ہو۔" وہ جھینپ کے مسکرائے۔ مجھے لگا انہوں نے بات بدلی ہو۔

"ابھی کل تک تمہاری باتیں ہوم ورک سے شروع ہو کر ٹیسٹ، ایگزام، پریکٹیکلز، پارٹیز پر ختم ہوجاتی تھیں اور آج تمہاری گفتگو میں رشتے ناتے اور روٹین لائف کی تبدیلیاں در آئی ہیں۔"

اپنی بات کے اختتام پر وہ ہولے سے ہنسے اور ان کے ساتھ میں بھی مسکرائی۔

...☆☆☆...

میں نے ہوش سنبھالا تو اپنے ارد گرد رشتوں کی بہتات دیکھی۔ فلاں پھوپی، فلاں خالہ، وہ چچا، یہ نانا۔ اسی حساب سے کزنز بھی ملے۔ لیکن اگر سگے رشتوں کی گنتی کروں تو انگلیوں کی پوریں خالی رہ جائیں گی۔

مما اور بابا دونوں اپنے والدین کے اکلوتے تھے۔بابا کی امی یعنی میری دادی، بابا کے بچپن میں ہی انتقال کر گئی تھیں۔دادا ابا بقید حیات تھے، جو بیرونِ شہر اپنے بھائی کے ساتھ رہتے تھے۔مما کے والدین کا ذکر کروں تو مما کے والدین حادثاتی طور پر انتقال کر گئے جب مما کی عمر پندرہ، سولہ برس ہوگی۔میرے نانا اور دادی امی دونوں بہن بھائی تھے۔لہٰذا نانا، نانی کی وفات کے بعد دادا ابا مما کو اپنے بیٹے یعنی میرے بابا سے منسوب کر کے اپنے گھر لے آئے۔مما بتاتی ہیں کہ کچھ سال بعد جب مما اور بابا کو کاروبار کی وجہ سے لاہور سے کراچی منتقل ہونے کا مسئلہ در پیش ہو

تو دادا ابا نے ساتھ آنے سے انکار کردیا اور وہیں مقیم اپنے بھائی کے ساتھ رہائش اختیار کر کے مما، بابا کو جانے کی اجازت دے دی۔

کراچی شہر میں نئی جگہ، انجان لوگ اور اجنبی محلّے میں جو اپنوں کی طرح پیش آیا وہ تھیں سکینہ بی، جو سامنے والی کوٹھی میں اپنے نواسے ابدال مصطفیٰ کے ساتھ رہتی تھیں۔ان کا ایک ہی بیٹا تھا۔جو تعلیم کی غرض سے ملک سے باہر گیا اور اپنے باپ کی وفات پر انجینئر بننے کے ساتھ ساتھ ایک بیٹے کا باپ بھی بن کر لوٹا۔بیوی بیٹے کو جنم دے کر بے وفائی کا زخم بھی دے گئی۔سو انہوں نے اپنے بیٹے کو ماں کے حوالے کیا اور واپس پردیس سدھار گئے۔

سکینہ بی رشتے میں تو ابدال مصطفیٰ کی دادی تھیں۔مگر ابدال مصطفیٰ نے ہوش سنبھالتے انہیں دادی کے بجائے امی پکارا تھا۔

یوں تو سارا محلّہ انہیں سکینہ بی کے نام سے جانتا تھا۔مگر میری بڑی بہن فری کی پیدائش کے وقت مما کے پاس کسی بزرگ خاتون کے نہ ہونے

کے باعث انہوں نے جس طرح مما کا دھیان رکھا وہ کوئی ماں اپنی اولاد کا ہی رکھ سکتی ہے۔مما نے انہیں اپنی ”ماں“ بنا لیا اور انہوں نے بھی اس رشتے کا پاس رکھا۔فری کے دو سال بعد میں، یعنی بیلا فاروق نے اس دنیا میں آنکھ کھولی تو سگے تو نہیں پر سگوں جیسے ہی نانی امی اور ابدال ماموں کو گھر کے فرد کی حیثیت میں پایا۔عمر کی سیڑھیوں پر قدم رکھتے ہوئے ہم تینوں زندگی کی دوڑ میں شامل ہوگئے۔کھیل کود، کھانا پینا، پڑھنا لکھنا سارے کام یا تو ہمارے گھر یا نانی امی کے گھر لیکن تینوں ساتھ ہی کرتے تھے۔

وقت گزرتا گیا۔ابدال ماموں اسٹوڈنٹ لائف سے پریکٹیکل لائف میں چلے گئے۔فری انسٹیٹیوٹ تک آ گئی اور میں نے کالج میں قدم رکھ دیا۔لیکن آج بھی ہماری مثلث ویسے ہی تھی۔بیٹھک میں اب بھی ڈسکس کی جاتی تھیں، اب بھی کالج کے قصے، اسکول کی یادیں، بچپن کی نادانیاں زیرِ تذکرہ آتی تھیں۔وقت کی ناؤ میں زندگی کی کشتی رواں دواں تھی لیکن

آنے والے دن تبدیلیاں لاتے ہیں۔رشتوں میں، رویوں میں، احساسات میں، جذبات میں، لوگوں میں اور... اور زندگی میں۔

...☆☆☆...

میں نے بند آنکھیں کھول کر سامنے دیکھا۔ابدال ماموں سامنے کے صوفے پر بیٹھے لیپ ٹاپ پر مصروف تھے۔میں نے پھر سے پلکیں موند کر نانی امی کے ہاتھوں کی مالش سے اپنے سر میں اُترنے والے سکون کو محسوس کیا۔آج اتوار کا دن تھا۔میں اور فری صبح سے یہیں تھے۔ناشتا بھی ہم دونوں نے مل کر تیار کیا تھا۔ناشتے کے بعد بابا اپنے دوستوں سے ملنے چلے گئے اور مما ماسی سے گھر اپنی نگرانی میں صاف کروانے جا چکی تھیں۔فری کچن میں برتن صاف کر رہی تھی اور میں بڑے مزے سے نانی امی کے قدموں میں بیٹھی اپنے سر میں مالش کروا رہی تھی۔ساتھ ہی ٹی وی بھی آن کر رکھا تھا۔ابدال ماموں بھی کبھی کبھار سر اٹھا کر ٹی وی کی جانب دیکھ لیتے۔چینل بدلتے ہوئے میرے ہاتھ تھمے۔

"میں تمہاری ماں نہیں دوست ہوں بیٹا، تم مجھ سے اپنی ساری باتیں ڈسکس کر سکتے ہو۔"

ایک ڈرامے کا سین تھا۔

"جیسے کہہ دینے سے دوست بن ہی جائیں گی نا۔" استہزایہ ہنسی۔

"کیا کہہ رہی ہو؟" ابدال ماموں نے غالباً کام ختم کرلیا تھا۔ تبھی دونوں ہاتھ کی انگلیاں آپس میں پھنسا کر مروڑیں اور لیپ ٹاپ بند کردیا۔

"مجھے کیا کہنا ہے؟ ان فلموں ڈراموں نے کسی رشتے کو اس کے اپنے فلیور کا تو چھوڑا ہی نہیں ہے۔ ہر رشتے میں دوستی کا تڑکا لگا دیا۔

ہر ڈرامے، ہر فلم میں یہی ڈائیلاگ کہ "ہمارا آپس میں فلاں رشتہ بعد میں ہے ہم پہلے دوست ہیں۔"

چڑ کر کہتے ہوئے میں نے آخری جملہ ہو بہو اسی انداز میں کہا۔ جس میں ایک شوہر اپنی بیوی سے اس کی پریشانی کی وجہ پوچھتے ہوئے بڑے

ہی دل گیر انداز میں یہی کہہ رہا تھا۔ میرے انداز پر نانی امی اور ابدال ماموں مسکرادیے۔

"ہاں! تو ایسی بھی کیا برائی ہے اس بات میں؟ اگر ہم رشتوں سے دوستی کرلیں تو شاید اپنی بات زیادہ آسانی سے ان تک پہنچا سکتے ہیں، انہیں بتا سکتے ہیں۔" فری کچن سے چائے کے لوازمات سے بھری ٹرے کے ساتھ بر آمد ہوئی۔

"کیوں؟ کیا ماں، باپ، بھائی، بہن یا شوہر کا رشتہ خود اپنے آپ میں اتنا معتبر، اتنا مضبوط نہیں ہے کہ اس سے اپنی پرابلمز، اپنی الجھن شیئر کرنے کے لیے اسے دوستی کی بیساکھی پکڑانی پڑے۔" میں نے کہتے ہوئے کپ اٹھایا۔

"میرا تو خیال ہے کہ رشتوں کو کھو دینے سے بہتر ہے کہ انہیں نئے روپ میں ڈھال لیا جائے۔ بعض اوقات وقت گزرنے کے ساتھ رشتوں کے معنیٰ بھی بدل جاتے ہیں۔ خصوصاً ان رشتوں کے جو خود ساختہ

ہوں۔" نانی امی نے مصروف انداز میں بڑے پتے کی بات کی تھی۔ پھر اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"تم لوگ باتیں کرو، میں ذرا دوپہر کے کھانے کا انتظام کروں۔"

"کم آن بیلا! ابدال ماموں سے بھی تو ہم اتنے فرینک ہیں بالکل دوستوں کی طرح۔" فری نے سلسلۂ کلام وہیں سے جوڑا۔

"جی نہیں۔" میرے قطعی انداز پر فری کے ساتھ ساتھ ابدال ماموں بھی مجھے چونک کر دیکھنے لگے۔

"ہماری آپس کی بے تکلفی کے لیے یہ بات کافی ہے کہ ابدال ماموں ہمارے ماموں ہیں۔"

"تمہاری تو اپنی ہی منطق ہے۔" فری چڑ گئی۔ ابدال ماموں خاموشی سے ہماری بحث سن رہے تھے۔ میں نے روئے سخن ان کی طرف موڑا۔

"اچھا ماموں آپ بتائیے ویسے تو ہمیں معلوم ہے، مگر پھر بھی ایک مرتبہ اور اپنی یادداشت کھنگالیے اور بتائیے آپ نے کبھی کسی لڑکی سے دوستی کی ہے؟" میں نے انہیں درمیان میں گھسیٹا وہ توپ کا رخ اپنی طرف دیکھ کر گڑبڑا گئے۔

"اس میں میرا کیا ذکر ہے بھئی؟" وہ خجل ہو کر مسکرائے۔

"یعنی آپ کی بھی لڑکیوں سے دوستی ہے۔" میں نے ان کے جھینپنے پر مزہ لیتے ہوئے "لڑکیوں" پر زور دیا۔

"لا حول ولا قوۃ...! بیلا تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا؟" وہ "لڑکیوں" کہنے پر بلبلا اٹھے۔

"دیکھا... دیکھا۔" میں نے فری کو متوجہ کیا۔"ماموں ہمیں اپنا دوست نہیں بھانجیاں سمجھتے ہیں جبھی تو ہم سے اپنی فی میل دوستوں کی باتیں شیئر نہیں کرتے۔" میں مزید شوخ ہوئی۔

"تم غالباً مجھ سے پٹنا چاہتی ہو۔" انہوں نے مصنوعی خفگی دکھائی، فری ہنس پڑی۔

"مان لو فری بی بی کہ ایک لڑکا اور ایک لڑکی کے درمیان سارے رشتے ہوسکتے ہیں سوائے دوستی کے۔"

میں نے ماہر تجزیہ نگار کی طرح نگاہیں خلا میں مرکوز کیں اور دھیمے اور پراسرار لہجے میں کہا تو ابدال ماموں اور فری دونوں بے ساختہ ہنسنے لگے۔ساتھ میری بھی ہنسی چھوٹ گئی۔

"کون سا لطیفہ ہے ذرا میں بھی تو سنوں؟" سیف ستار کی چہکتی آواز پر میری ہنسی کو بریک لگے۔ماموں نہایت گرم جوشی سے اس سے معانقہ کرنے بڑھے فری ٹرے میں کپ اکھٹے کرنے لگی۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"بڑے دنوں بعد آئے یار کہاں مصروف رہے؟" ماموں نے ان کے ہمراہ صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔فری انہیں سلام کر کے جا چکی تھیں اور میں ٹی وی کی طرف رخ کر کے بیٹھ گئی۔بد مزگی سے میرے منہ کے زاویے بگڑنے لگے۔

عجیب لسوڑی شخصیت کا مالک تھا۔ماموں کا کزن ہونے کے ساتھ ان کے گہرے دوستوں میں شامل ہونے کا اعزاز بھی رکھتا تھا۔اکثر واسطہ پڑ جاتا تھا اس سے مگر جب بھی سامنا ہوتا پتا نہیں کیوں میرا پارہ ہائی ہوجاتا جیسے ابھی...!

"یار ابدال تمہارے یہاں سلام دعا کا رواج نہیں ہے کیا؟" اس کی شوخ سی آواز نے میرا حلق تک کڑوا کردیا۔

"بیلا۔" ماموں نے تنبیہی پکارا۔زچ ہو کر دل ہی دل میں اسے صلواتیں سناتے ہوئے میں نے رُخ ان کی طرف موڑا۔وہ جی جان سے متوجہ تھا۔

"السّلام علیکم۔کیسے ہیں انکل آپ؟" میں نے چڑانے والے انداز میں خاصی لگاوٹ سے کہا۔

"کیا؟ کون...؟" وہ یک دم کھڑا ہو کر اپنے دائیں بائیں اور پلٹ کر دیکھنے لگا۔"کون انکل۔" وہ ہونقوں کی طرح مجھ سے پوچھ رہا تھا۔

"آپ اور کون؟" میں نے محظوظ ہو کر کہا۔وہ یوں شاکڈ تھا گویا گہرا صدمہ پہنچا ہو۔ماموں نے لبوں میں مسکراہٹ دبائی۔

"ارے بھئی ماموں کے دوست ہیں۔ان کے کزن بھی ہیں تو میرے تو انکل ہی ہوئے نا۔" میں نے ناصحانہ انداز میں کہا اور ان کی نا سمجھی پر مصنوعی تاسف سے سر جھٹکتی ہوئی باہر نکل آئی۔البتہ اپنے پیچھے ماموں کا چھت پھاڑ قہقہہ سنا۔

...☆☆☆...

میں نے قلم چلاتے ہوئے ہاتھ روک کر گھڑی پر نظر کی ساڑھے چار کا وقت بتاتی وہ مجھے فکر مند کر گئی۔میں نے دوسری نظر ٹیبل پر ڈھیر کی

صورت دھری فائلوں پر ڈالی اور سر ہاتھوں میں گرا دیا۔پانچ بجے مجھے بیلا اور فری کو شاپنگ کے لیے لے کر جانا تھا لیکن جس حساب سے کام کا بوجھ تھا مجھے لگ رہا تھا کہ پروگرام کینسل کرنا پڑے گا ابھی میں سوچ ہی رہا تھا کہ ہما ادریس کا مسکراتا تروتازہ چہرہ نظر آیا۔میں سیدھا ہو گیا۔

"سب ٹھیک تو ہے نا۔کوئی مسئلہ؟" وہ مجھے تھکے ہارے انداز میں دیکھ کر بولی۔

"کچھ نہیں، آپ کہیے کیسے آنا ہوا؟" میں نے زبردستی چہرے پر بشاشت سجائی۔

"نہیں خیر کوئی بات تو ہے آپ بتانا نہ چاہیں تو اور بات ہے؟" وہ بضد ہوئی۔

”دراصل مجھے ضروری کام سے پانچ بجے تک جانا تھا۔مگر آج کچھ زیادہ کام نکل آئے ہیں سو بس وہی ٹینشن ہے۔“ میں نے کی بورڈ پر انگلیاں چلاتے ہوئے کہا۔

”تو جناب اس میں پریشان ہونے کی کیا بات ہے۔مجھے بتادیں میں کردیتی ہوں۔آخر دوست ہی مشکل وقت میں کام آتے ہیں۔“

”نہیں آپ...!“ میں نے انکار کرنا چاہا۔

”کم آن ابدال کن تکلفات میں پڑ رہے ہیں آپ۔“ وہ از خود بڑھ کے فائلز اکھٹی کرنے لگی۔

”آپ آرام سے جائیے میں سب سنبھال لوں گی۔“ وہ فائلز سمیٹ کر جانے لگی۔

”ہما!“ وہ میری پکار پر رکی۔

”تھینکس...!“ میرے کہنے پر وہ مسکرائی۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

”ایک لڑکے اور لڑکی کے درمیان سارے رشتے ہوسکتے ہیں سوائے دوستی کے۔“ بیلا کی بات سماعتوں میں تازہ ہوئی تو لبوں کے گوشوں میں مسرور سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ہما ادریس آفس میں دو مہینے پہلے ہی آئی تھی۔تجربہ نہ ہونے کے باعث اسے میری مدد کی بارہا ضرورت پڑتی تھی اور اسی ضرورت نے ہمارے درمیان دوستانہ فضا قائم کردی تھی۔

”بیلا بی بی کی تو منطق ہی الگ ہے۔“ میں نے مسکراتے ہوئے سر جھٹکا اور گنگناتے ہوئے کار کی چابی اٹھاتا باہر نکل آیا۔گاڑی میں بیٹھ کر اگنیشن میں چابی گھمائی ہی تھی کہ میرا سیل فون بج اٹھا۔بیلا کے گھر کا نمبر تھا۔میں نے فون آن کر کے کان سے لگایا۔

”ماموں... ماموں بابا کا...!“ بیلا کی گھبرائی ہوئی آواز نے مجھے پریشان کردیا۔

”بیلا کیا ہوا ہے؟ پلیز بولو کیا ہوا ہے؟“

"بابا کا... بابا کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔فری اور مما اسپتال گئی ہیں۔" وہ رو رہی تھی۔میں نے گاڑی ریورس کی۔

"کون سے اسپتال؟" میرے پوچھنے پر اس نے اسپتال کا نام بتا کر فون بند کیا۔

میں اسپتال پہنچا تو فری اور آپا مجھے I.C.U کے باہر ملیں۔

"ابدال... ڈاکٹر... ڈاکٹر کہہ رہے ہیں کنڈیشن بہت سیریس ہے۔" آپا مجھے بتاتے ہوئے رو پڑیں۔فری کی حالت بھی ابتر تھی۔میرے حواس بھی جواب دینے لگے۔فاروق بھائی نے غیر محسوس طریقے سے پپا کی جگہ لے رکھی تھی۔پہلے کبھی تو نہیں لیکن اب احساس ہو رہا تھا کہ وہ میری زندگی میں کیا مقام رکھتے ہیں میں نے آپا اور فری دونوں کو تسلی دی لیکن اس موقع پر دلاسے تسلیاں کب کام آتے ہیں۔

"بیلا کہاں ہے؟" مجھے بیلا کا خیال آیا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"گھر میں نانی امی ہیں اس کے پاس۔" فری نے بھیگی آنکھیں پونچھتے ہوئے کہا۔

"آپ دونوں گھر جائیں میں ہوں یہاں...!" میں نے بہ یک وقت ان دونوں سے کہا۔

"ابدال پلیز، میں کہیں نہیں جاؤں گی تم فری کو گھر چھوڑ دو۔" آپا نے بے چینی سے کہا۔

"ٹھیک ہے میں فری کو چھوڑ کر آتا ہوں۔" میں نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے اس کو چلنے کا اشارہ کیا۔

"ماموں...!" میں اور فری گھر میں داخل ہوئے تو بیلا ہماری طرف لپکی الجھے بال، متورم سرخ چہرہ میرے سامنے سوالیہ نشان بنا۔

"کیا ہوا؟ بابا کو نہیں لائے، وہ ٹھیک ہیں نا؟" وہ مضطرب تھی رخساروں پر ٹوٹتے آنسو اس کے درد کا پتا دے رہے تھے۔

"بیلا تم۔" میں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔فری چپ چاپ کھڑی آنسو ضبط کر رہی تھی۔

"کیا ہوا...؟" اس نے بے تابی سے میرا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام لیا وہ لرز رہی تھی کسی انہونی کے خوف سے۔

"دعا کرو بیلا۔" میں نے دوسرے ہاتھ سے اس کے ہاتھوں کو تھپتھپایا تو وہ میرے ہاتھوں پر سر ٹکا کر پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔

"کچھ نہیں ہو گا بیلا! بابا کو کچھ نہیں ہو گا۔" فری نے آگے بڑھ کر اسے گلے سے لگایا۔وہ دونوں بہنیں سسک رہی تھیں۔میں نے آنکھوں کے

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

کنارے سے ٹپکتے آنسو کے قطرے کو انگلی سے جھٹکا اور وہاں سے نکل آیا۔۔

بالآخر رات بھر کے صبر آزما انتظار کے بعد فجر کے وقت فاروق بھائی کو ہوش آیا۔صبح انہیں روم میں شفٹ کرتے ہوئے خطرے سے باہر بتایا گیا۔گیارہ بجے تک فاروق بھائی کچھ بہتر اور ہوش کی دنیا میں تھے۔بیلا اور فری نے امی کے ساتھ اسپتال آنے کے بعد کے جذباتی منظر نے میری آنکھیں بھی نم کر دیں۔بیلا اور فری خاصی دیر تک فاروق بھائی کے سینے سے لپٹی آنسو بہاتی رہیں۔بالآخر آپا نے ہی دونوں کو الگ کرتے ہوئے ان کے آنسو پونچھے۔

"بس کرو بیٹا، ابھی فاروق کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے تم لوگ اس طرح کرو گی تو وہ پریشان ہو گا۔"

"بیلا بچے حوصلہ رکھو۔" بیلا کے مسلسل بہتے آنسوؤں کو دیکھتے ہوئے امی نے اسے خود سے لگا کر تھپکا وہ مزید رونے لگی تھی۔انہوں نے مجھے پکارتے ہوئے اسے وہاں سے لے جانے کا اشارہ کیا۔

"بیلا میرے ساتھ آؤ۔" میں نے اسے پکارا تو وہ امی سے الگ ہوتی میرے پیچھے چلی آئی۔"وہ اب ٹھیک ہیں بیلا! تم رو کر انہیں پریشان کر رہی ہو۔" ہولے ہولے سسکتی وہ سامنے کھڑی تھی۔سر جھکائے انگلیاں مسلتی مضطرب سی۔

"میں یہ سوچتی ہوں تو میری روح لرز جاتی ہے کہ خدا نخواستہ بابا کو...!" اتنا کہتے ہوئے اس کی بھیگی آنکھوں سے پھر آنسوؤں کی جھڑی لگی۔

"مجھے اندازہ ہے بیلا! جس نے ساری زندگی باپ کے ہوتے ہوئے یتیمی جیسا کرب سہا ہو اس سے بہتر باپ کی قدر کسے معلوم ہوگی۔" میں نے رات بھر جاگنے کے باعث سرخ ہوئی آنکھیں ملتے ہوئے کہا۔پھر

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

استہزائیہ ہنس پڑا۔"خیر، تم اب اپنی حالت درست کرو۔رو رو کر آنکھیں سُجا لی ہیں۔" میں نے اس کا دھیان بٹانے کو بات بدل دی۔

"اب ٹھیک ہے۔" چند لمحوں بعد وہ منہ دھو کر میرے سامنے آکھڑی ہوئی۔

دھلا دھلا نکھرا چہرہ، متورم سنہری آنکھوں میں سرخ ڈورے اور ان آنکھوں پہ بھیگی پلکوں کا پہرہ، وہ دانستہ مسکرا رہی تھی اور میرا دل... میرا دل جیسے پستیوں میں ڈوبنے لگا تھا۔دھڑکن اتھل پتھل ہونے لگی تھی۔

بھیگی آنکھوں والی لڑکی

میری طرف جب دیکھتی ہے تو...!

پتا نہیں کب نظروں کا زاویہ بدل گیا۔کب میری دانستہ نظر نے بے خودی کا جام نوش کیا کہ مجھے زمان و مکاں بھول گئے۔میں بھول گیا کہ میں کون ہوں، وہ کون ہے، یاد رہی تو بس بے اختیاری اور شاید اسی

بے اختیاری کے سبب میں اپنا آپ بھولنے لگا تھا۔وہ اب بھی مسکرا رہی تھی۔میرا دل اس کی مسکراہٹ کے اسرار میں کھونے لگا۔اس نے کچھ کہا تھا شاید مگر ہوش کسے تھا۔اس کا پس منظر میری نگاہوں سے اوجھل ہوگیا تھا۔دکھائی دے رہی تھی تو بس وہ۔وہ مسکرا کر کچھ کہتی ہوئی اندر کمرے میں جا رہی تھی اور یکدم ہی مجھے اپنا پہلو سونا محسوس ہونے لگا تھا۔

کیا محبت یوں ہی اچانک وارد ہو کر پل بھر میں انسان کو بے خود کرجاتی ہے؟ خود سے یہ سوال کرتے میں نے پلکیں آپس میں میچ لیں۔آنکھوں میں مرچیں سی بھر گئیں۔میں نے خود کو سرزنش کی، دھڑکن چپ تھی۔اب کوئی سوال نہیں۔کوئی جواب نہیں قیامت آچکی ہے۔محبت کا نزول ہوچکا تھا۔اب کوئی راہِ فرار نہیں، چہار اطراف بس ایک ہی بازگشت تھی۔

بھیگی آنکھوں والی لڑکی

میری طرف جب دیکھتی ہے تو
من میں جل تھل کرجاتی ہے
مجھ کو پاگل کر جاتی ہے

...☆☆☆...

میری زندگی میں بہت کم لوگ تھے جو میرے دل کے قریب تھے۔شاید بخشنے والے نے میرے نصیب میں مخلص پیار بہت کم رکھا تھا۔ہوش سنبھالا تو اپنے سامنے صرف دادی کو پایا۔مما کہاں تھیں اور اب بھی یا نہیں یہ مجھ سمیت کسی کو نہیں معلوم تھا۔حتیٰ کہ پپا کو بھی نہیں۔انہوں نے میری پیدائش کے بعد پپا سے علیحدگی اختیار کرلی پھر اس کے بعد نہ انہوں نے کبھی مجھ سے

ملنے کی خواہش کی نہ پپا نے۔انہوں نے مجھے دادی کے حوالے کر کے پلٹ کر کبھی میرا حال پوچھنا بھی گوارا نہیں کیا اور پردیس کے ہو رہے۔میرے اور دادی کے لیے اتنا ہی کافی تھا کہ وہ ہر ماہ میرے اخراجات بجھوادیتے، اس سے کم از کم یہ احساس تو زندہ تھا کہ انہیں یاد ہے کہ پاکستان میں ان کا بیٹا اور ماں بھی رہتے ہیں۔بہت مہربان ہوتے تو سال چھ مہینے میں ایک آدھ فون کر کے خیریت بھی پوچھ لیتے۔

انہوں نے مجھے کس جرم کی سزا دی، اپنے سایہ سے محروم رکھ کے یہ سوال میں ان سے پوچھنا چاہتا تھا۔مگر جب شعور کی دنیا میں قدم رکھا تو اس معصوم سے سوال نے انا کا لبادہ اوڑھ لیا اور میں نے ان سے خود ساختہ ناراضگی مول لی۔بولنا سیکھا تو دادی کو امی کہنا ہی شروع کیا اور انہوں نے بھی ہمیشہ مجھے بیٹا ہی سمجھا۔یوں ہوش سنبھالتے دادی کا پیار

ہی محسوس کیا۔چھٹے سال کی چوکھٹ پر قدم رکھا تو چند اور خوب صورت رشتوں سے روشناس ہوا۔فاروق بھائی اور ثمینہ آپا سامنے والی کوٹھی میں شفٹ ہوئے تھے۔امی اور ثمینہ آپا کی گاڑھی چھننے لگی۔ثمینہ آپا، امی کو اپنی ماں کی جگہ سمجھتی تھیں۔اس حوالے سے میری آپا ٹھہریں اور جب دو سال کے وقفے سے فری اور بیلا اس دنیا میں آئیں تو مجھے لگا قدرت نے میرا اکیلا پن دور کردیا۔ہم ساتھ کھیلے تھے اور ساتھ ہی پلے بڑھے تھے۔اسی حوالے سے ہمارے درمیان دوستی اور بے تکلفی کا رشتہ ساتھ ساتھ پروان چڑھا۔انہوں نے اپنی توتلی زبان سے مجھے ماموں کہنا
شروع کیا تو میں جو رشتوں کا ترسا ہوا تھا۔ہَواؤں میں اڑنے لگا۔عمر کی منازل طے کرتے ہم تینوں ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے بچپن کی وادی سے نکل آئے۔وہ دونوں مجھ سے ہر بات شیئر کیا کرتی تھیں۔
نصابی غیر نصابی معاملات۔جونہی دن گزرتے گئے وقت کا دھارا بہتا رہا۔
گزرتے دنوں نے ہم تینوں کو شعور کی دنیا میں لا کھڑا کیا تھا اور شاید

شعور کے سبب ادراک پا کر رشتے خود بخود نئے معنوں میں ڈھل جاتے ہیں۔

...☆☆☆...

گنگناتے ہوئے جذبات کی آہٹ پا کر
روح میں جاگنے والی ہے کوئی سرگوشی
آ کسی خوف میں اتریں کسی غم کو اوڑھیں
کسی اجڑے ہوئے لمحے میں سجائیں خود کو
تھام کر ریشمی ہاتھوں میں ہَوا کی چادر
روح میں گھول لیں تاروں کا حسیں تاج محل
جی میں آتا ہے لپٹ جائیں کسی چاند کے ساتھ
بے یقینی کے سمندر کا کنارہ لے کر
ہم نکل جائیں کسی خدشے کی انگلی تھامے
تیری یادوں کے تلے درد کے سائے سائے

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

اَدھ کھلی کھڑکی میں کھڑا لان کے پھول پودوں اور چاندنی پر نظریں جمائے میں اپنے آپ سے نبرد آزما تھا۔دل کو کسی ننھے بچے کی طرح سمجھانے بہلانے میں مصروف، لیکن بے سود، ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ میں منہ چھپاتا پھرتا بیلا سے، اپنے آپ سے، اپنے دل سے، اپنے جذبوں سے لیکن میں نے محبت سے ضد باندھ لی تھی۔

پہلے جو دن میں ایک دو بار اس سے سامنا ہوتا تھا۔اب میں دانستہ زیادہ وقت اس کے سامنے رہنے لگا۔اس کے سامنے محبت کی نفی کرتا۔اپنے آپ کو جھڑکتا، خود کو پابند کرتا۔دل کی بے تابی نظر انداز کرنے کے لیے خوب بولتا، قہقہے لگاتا اور کچھ فاصلے پر ٹھہری بے خودی و بے اختیاری میرا منہ چڑاتی۔دن بھر روح میں برپا شور کو دبانے کے لیے خود کو مصروف رکھتا اور رات کی تاریکی میں مصروفیت کے خالی ہاتھوں میں سوائے اسے یاد کرنے اسے سوچنے کے کوئی کام نہ رہ جاتا۔نیند تو در سے

اتنے آہستہ سے گزرتی کے پلکوں پر آہٹ بھی محسوس نہ ہوتی اور بے شکن بستر پر براجمان بے خوابی میری بے بسی سے حظ اٹھاتی۔

"ابدال!" امی نے پکارا۔ میں نے پلٹ کر دیکھا وہ میرے کمرے میں کھڑی تھیں۔ "بیٹا سوئے نہیں ابھی تک؟" انہوں نے کہتے ہوئے گھڑی کی طرف دیکھا جو رات کے ڈھائی بجا رہی تھی۔

"جی بس یونہی نیند نہیں آرہی تھی۔" میں دانستہ مسکرادیا۔

"نیند کیوں نہیں آرہی طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری؟" وہ میرے نزدیک آگئیں اور پیشانی پر ہاتھ رکھ دیا۔

"ارے امی آپ پریشان مت ہوں، بس یونہی نیند نہیں آرہی۔" میں نے ان کا ہاتھ تھام لیا۔ مگر وہ میری تاویلوں سے کہاں ماننے والی تھیں۔

"ابدال! کوئی پریشانی ہے بیٹا؟" وہ مجھ سے یوں پوچھ رہی تھیں جیسے بچپن میں پوچھتی تھیں۔ "ابدال کسی سے لڑائی ہوئی ہے بیٹا؟" اور میں ان کے پیار بھرے لہجے پر سب کہتا چلا جاتا۔ آج بھی دل چاہا کہ سب کچھ کہہ ڈالوں مگر پھر دماغ نے سرزنش کی کہ وہ کیا سوچیں گی۔

"ابدال۔" انہوں نے پھر پکارا۔ "کیا سوچ رہے ہو؟" میری گمبھیر سوچ کا غماز چہرہ انہیں تشویش میں مبتلا کر گیا تھا۔

"ہوں...! کچھ نہیں۔ آپ کیوں نہیں سوئیں ابھی تک؟"

"فون آیا تھا اصغر کا۔" میری پیشانی پر شکن پڑی۔

"ابھی پچھلے مہینے ہی فون کیا تھا نا کچھ جلدی یاد نہیں آگئی انہیں آپ کی؟" میرا لہجہ زہر خند ہوا۔

"ابدال! وہ تم سے بات کرنا چاہتا ہے بیٹا وہ شرمند ہے۔"

"لیکن اب نہ مجھے ان سے بات کرنے کی خواہش ہے نہ ان کی ضرورت۔" میں رکا۔ "اور پتا ہے امی مجھے تو ان کی شکل بھی یاد نہیں۔ کتنی عجیب بات ہے نا۔ میں کتنا احسان فراموش ہوں۔ جو لوگ مجھے دنیا میں لانے کا سبب بنے میں انہیں ہی بھول گیا۔ لیکن اس میں میرا تو قصور نہیں ہے نا امی؟ وہ خود مجھے اس ظالم دنیا میں پھینک کر بھول گئے تھے۔" میں حد سے زیادہ جذباتی ہوا تھا۔

"ابدال بیٹا! کیسی باتیں کر رہے ہو؟ میں نے کچھ کمی کر دی کیا۔ کیا تم مجھے اپنی ماں نہیں سمجھتے؟" انہوں نے میرا چہرہ ہاتھوں کے پیالے میں بھرا۔ مجھے یک دم افسوس ہوا کہ میں نے خوامخواہ اپنی بھڑاس امی کے سامنے نکالی۔

"میں نے ایسا کب کہا؟ آپ ہی سے تو یہ احساس ہے کہ میں کسی کے لیے اہم ہوں کسی کو میری ضرورت ہے۔" میں نے ان کے شانوں پر بازو پھیلائے۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"تم جب آئے تو مجھے لگا اصغر واپس آگیا۔ میں نے تمہیں ابدال نہیں اصغر سمجھا بیٹا، لیکن بہرحال ماں باپ کی کمی تو پوری نہیں کرسکتی تھی نا۔" ان کا گلا رندھ گیا تو میں نے انہیں خود سے لگا لیا۔ یک لخت ہی اپنے سخت لفظوں پر تاسف نے گھیر لیا تھا۔

"ابدال! وہ پشیمان ہے بیٹا! تمہیں یاد کرتا ہے اس سے بات کرلو۔" وہ آبدیدہ ہو گئیں۔

"اوہو! آپ کی طبیعت خراب ہوجائے گی امی پلیز۔" میں نے ان کے آنسو پونچھے۔ "چلیں چھوڑیں یہ باتیں دوا لے لی آپ نے؟" میں نے ماحول بدلنے کے لیے بات بدلی تو انہوں نے محض سر ہلانے پر اکتفا کیا۔

"اب آپ جا کر سو جائیں مجھے بھی نیند آرہی ہے۔" میں نے ان کے ہاتھ تھپتھپائے تو انہوں نے میرے بکھرے بالوں میں ہاتھ پھیرا اور پیشانی پر بوسہ ثبت کرتی چلی گئیں۔

میرے بستر پر دراز بے خوابی مسکرائی اور کروٹوں نے بانہیں وا کیں تو میں بے کلی کی چادر تانے بے بسی کی آغوش میں پلکیں موند گیا۔

...☆☆☆...

”نانی امی! نانی امی!“ بیلا آوازیں دیتی اندر آئی تھی۔میں جو لاؤنج میں لیٹا اس کے تصور سے پیچھا چھڑانے کی سعی میں مصروف تھا وہ بالکل میرے سامنے آٹھہری۔

”ماموں۔“ میں نے آنکھیں کھولیں۔بلیک عبا پہنے وائٹ اسکارف میں لپٹا چہرہ میرے سامنے تھا میں اٹھ بیٹھا۔”ارے آپ تیار نہیں ہوئے ابھی تک۔جانا نہیں ہے کیا؟“ کاجل سے سجی سنہری آنکھیں سراپا سوال ہوئیں۔میں نے نظریں چرائیں۔

”طبیعت کچھ ٹھیک نہیں۔“ میں نے سستی سے کہا۔

”ارے، ابھی صبح تک تو آپ ٹھیک تھے اب کیا ہوگیا؟“ اس نے میری شب بے داری کی غماز آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں اور مجھے لگا وہ میرے اندر کا بھید جان لے گی۔سو چیخ اٹھا۔

”بیلا پلیز! میرے سر میں بہت درد ہے ناؤ کیپ کوائٹ اینڈ گیٹ لاسٹ۔“ میں نے دہاڑ کر کہا۔وہ سہم کر پیچھے ہوئی۔میں نے اپنے بالوں کو مٹھیوں میں جکڑا اور آنکھیں میچ لیں پھر سر اٹھایا۔

”بیلا... میں۔آئی ایم سوری...!“ کاجل سے سجی سنہری آنکھیں بھیگ گئی تھیں۔وہ واپس پلٹی اور دوڑتی ہوئی باہر نکل گئی۔میں بے بسی سے مٹھیاں بھینچ کر رہ گیا۔دل میں تاسف کی اک لہر اٹھی۔

”ابدال! بیلا آئی تھی۔چلی گئی کیا؟“ امی اپنے کمرے سے اپنے شانوں پر شال درست کرتی باہر آئی تھیں۔مصروف سے انداز میں پوچھا گیا۔

”ہوں وہ...!“ میں کچھ کہتے کہتے رک گیا۔کچھ لفظ ہی نہ سوجھے مگر انہوں نے غور نہ کیا۔جلدی کے باعث۔

"چلو ٹھیک ہے میں جا رہی ہوں کہا تو تھا تمہیں چلنے کو مگر خیر طبیعت ٹھیک نہیں ہے تمہاری۔ دوا لے آنا اپنی، ٹھیک ہے کھانا بھی کھا لینا یہ نہ ہو کہ صرف چائے کے ساتھ دوا لے لو۔" وہ مجھے ہدایتیں دے کر چلی گئیں۔ میں آنکھوں پر بازو رکھے دراز ہو گیا۔ جلتی آنکھوں کے اس طرف وہی چہرہ روشن تھا۔

"یہاں کوئی ابدال صاحب رہتے ہیں؟" دستک کے ساتھ سیف کی آواز سنائی دی۔ میں نے داخلی دروازے کی طرف دیکھا وہ کھڑا مسکرا رہا تھا۔ میں اٹھ بیٹھا۔ "آپ کون ہیں؟" وہ شرارتی انداز میں مجھ سے پوچھ رہا تھا۔ میں پھیکے پن سے مسکرایا۔ "شکل سے تو مجنوں کے ماما لگ رہے ہیں۔" وہ مزید شوخ ہوا۔ میں ہنوز خاموش۔

"ابے کسی نے تیری زبان تو نہیں کاٹ دی؟" اس نے کہا اور میں بے ساختہ ہنس پڑا۔

"تیری بکواس ختم ہوگئی ہو تو میں کچھ کہوں؟"

"نہیں ابھی بکواس باقی ہے۔" جواب حاضر تھا۔ "اچھا چل کہہ دے تو بھی کیا یاد کرے گا، بول۔" میرے گھورنے پر احسانِ عظیم کرتے ہوئے اجازت دی گئی۔

"سیف باز آجا۔" میں نے تنبیہ کی۔

"پہلے تو بتا کہاں ہوتا ہے آج کل۔ کتنے دنوں سے نہ فون نہ ملاقات۔" اس نے ریموٹ کنٹرول سے ٹی وی آن کیا۔

"وجہ کون ہے اس بے خبری کی؟" اس نے ٹی وی آف کر دیا۔ میں نے سر جھکا یا چند لمحے خاموشی گنگنائی۔

"بیلا۔" میرے انکشاف پر وہ چونک اٹھا۔ کئی دنوں سے دل و دماغ پر پڑا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے مجھے سیف سے بہتر کوئی نظر نہ آیا اور میں نے اس کے سامنے اپنا آپ کھول کر رکھ دیا۔

"تجھے پتا ہے اس کا انجام کیا ہوگا؟" وہ فکر مند ہوا۔

"مجھے صرف یہ پتا ہے کہ میں اپنے بس میں نہیں ہوں۔" میں نے بے بسی سے کہا۔

"ابدال یہ بے اختیاری تجھے برے دن دکھائے گی۔" وہ میرے نزدیکی دوستوں میں سے ایک تھا جو میرے بارے میں تقریباً سب کچھ جانتے تھے۔میرے اور بیلا کے رشتے کی نوعیت بھی۔

"محبت میں کب کسی نے اچھے دن دیکھے ہیں۔سب کو ہی واجبات ادا کرنے پڑتے ہیں۔مجھے بھی کرنے پڑیں گے۔" میں پوری طرح تیار تھا۔

"تو پھر اب؟"وہ میرا لائحہ عمل جاننا چاہ رہا تھا۔

"ابھی کچھ نہیں پتا۔" میں ہنوز بے بس تھا۔

"آنٹی کہاں ہیں؟" اس نے امی کی غیر موجودگی محسوس کی۔

"وہ فاروق بھائی اور آپا کے ساتھ ان کے ایک عزیز کے گھر گئی ہیں۔ فری کے رشتے کی بات چل رہی ہے ان کے بیٹے سے اسی سلسلے میں۔" میں تفصیل سے کہتا اٹھ کھڑا ہوا۔

"کہاں؟" میرے کھڑے ہونے پر اس نے پوچھا۔

"کپڑے تبدیل کر کے آتا ہوں۔کھانا باہر کھاتے ہیں۔" میں کہتا ہوا اپنے کمرے میں چلا آیا۔

...☆☆☆...

"کچھ زیادہ وقت نہیں لگا دیا آپ لوگوں نے وہاں۔" میں کچن سے کافی لے کر نکل رہا تھا جب امی گھر میں داخل ہوئیں۔

"ہاں دیر ہو گئی تھوڑی ہمیں۔فاروق کے پرانے جان پہچان کے لوگ تھے۔خاصی بے تکلفی رہی، پھر یہاں بھی بیلا اور فری دونوں تھے۔تو ہم اطمینان سے تھے ورنہ فری اکیلی ہوتی تو فکر رہتی۔ویسے لڑکا بہت اچھا ہے ہماری فری بہت خوش رہے گی۔گھرانہ بھی طور طریقے والا ہے۔"

وہ کہتے ہوئے میرے قریب آ گئیں۔"تمہاری طبیعت کیسی ہے اب؟ کھانا کھایا تھا؟ دوا لی یا نہیں؟" انہوں نے بہ یک وقت دو تین باتیں پوچھی تھیں۔

میں نے بے دھیانی سے اثبات میں سر ہلایا۔ذہن اسی بات میں الجھ گیا۔"فری اور بیلا دونوں تھیں۔" کیا وہ میری وجہ سے نہیں گئی۔

"بیلا کیوں نہیں گئی؟ وہ تو تیار تھی نا!" میں نے سرسری سا استفسار کیا۔

"تیار تو تھی لیکن میں جب گئی تو آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں اس کی مجھے کہنے لگی نانی امی سر میں بہت درد ہو رہا ہے۔تو ثمینہ نے اسے گھر میں ٹھہرنے کا ہی کہہ دیا۔" وہ کہتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف غالباً چینج

کرنے کی نیت سے چل دیں۔میں نے کچھ سوچتے ہوئے کافی کا مگ وہیں کاؤنٹر پر دھرا اور گھر سے نکل آیا۔

رات دن کے شانوں پر اپنے گیسو بکھرانے کو تھی۔خنک ہوا چہار اطراف رقصاں تھی۔میں نے پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ پھنسائے اور بیلا کے گھر کی طرف چل دیا۔

لان کی سیڑھیوں پر بیٹھی وہ اضطراب سے اپنی قمیص کا دامن اپنے ہاتھ کی انگلی پر لپیٹتی کھولتی میری آنکھوں کو سیراب کر گئی۔گہری سوچ کا غماز، تھوڑا پھولا پھولا ناراض سا چہرہ دل میں ہلچل مچا گیا۔کہیں احساس کے دامن میں بے کلی سمٹنے لگی۔

چند لمحے اسے چپ چاپ تکتے سرک گئے۔معاً وہ چونک سی گئی غالباً میری پُر شوق نگاہوں کی حدت نے اسے خبردار کیا تھا۔اس کی متلاشی نگاہیں مجھ سے ملیں۔کچھ پل وہ مجھے یوں دیکھتی رہی جیسے میرے اندر کا بھید جان لے گی یا شاید جان چکی ہے۔میں اس کی جتاتی نگاہوں کے اسرار

میں گم تھا جب اس نے روٹھے انداز میں منہ پھیرتے ہوئے ماحول کا طلسم توڑ دیا۔ میں نے ہوش کی وادی میں لوٹتے ہوئے سر پر ہاتھ پھیرا پھر کچھ سوچ کر گلاب کی شاخ پر سجی ادھ کھلی گلابی کلی توڑ لی۔

”آئی ایم سوری۔“ میں نے کلی اس کے سامنے کی۔ اس نے بولتی نگاہوں سے مجھے دیکھا اور کچھ کہے بنا کلی تھام لی۔ میں منتظر رہا کہ وہ کچھ کہے گی۔ مگر وہ خاموش رہی۔

”خفا ہو؟“ اس کی مسلسل خاموشی سے اکتا کر پوچھا۔

”نہیں۔“ میں اس کے برابر کچھ فاصلے پر بیٹھ گیا۔

”کیا ہو گیا تھا تمہیں؟ امی بتا رہی تھیں کہ تم گئی نہیں؟“ میں نے سلسلۂ تکلم دراز کیا۔

”آپ کے سر کا درد ٹھیک ہو گیا؟“ اس نے میری بات نظر انداز کر دی۔

”ہاں ٹیبلیٹ لے لی تھی۔“ میں نے دونوں ہاتھ آپس میں رگڑے۔

خاموشی پھر ہمارے درمیان آ بیٹھی۔ ”تم نے بتایا نہیں۔“ میں سراپا سوال ہوا۔

”کیا؟“ وہ کلی کی پتیوں کے سرے پر انگلیاں پھیر رہی تھی۔

”گئیں کیوں نہیں؟“ دل بہت خوش فہم تھا۔

”کیا سننا چاہ رہے ہیں۔“ اس کی خاموشی نے دستِ سوال دراز کیا۔

”وہی جو تم کہنا نہیں چاہ رہی۔“ میری خاموشی بضد تھی۔

”آپ نے ڈانٹا تھا مجھے بہت رونا آ رہا تھا اس لیے نہیں گئی۔“ آخر معصومیت بھرا انداز مجھے کھل کر مسکرانے پر مجبور کر گیا۔

”ایک بار پھر سوری میں کچھ پریشان تھا۔ اپنی جھنجلاہٹ تم پر نکال بیٹھا۔“ میں نے پشیمانی سے کہا۔

”کیوں پریشان تھے؟“ اس نے میری طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔ جی میں آئی اپنا آپ اس پر کھول دوں۔ اس بے درد محبت کی جلن میں

اکیلا ہی کیوں سہوں۔ مگر اس کی خمار بھری آنکھوں میں رت جگوں کا عذاب سمونے کی مجھ میں سکت نہیں تھی۔

"تھی کچھ پریشانی تم جانے دو۔" میں نے اسے ٹالا۔

مجھ نادان کو کیا خبر کہ یہ عشق آتش بھڑکتی نہیں سلگتی ہے اور اس کی تپش میں بھی اتنی شدت ہے کہ فریقین محبت اس کی آنچ میں تا عمر سلگتے ہیں۔

"مجھ سے کیا چھپا رہے ہیں؟ مجھے معلوم ہے آپ کچھ دنوں سے پریشان ہیں اور کیوں پریشان ہیں میں یہ بھی جانتی ہوں۔"

اس کی جھکی جھکی نگاہوں میں نہ جانے کیا راز پنہاں تھا میں حیران رہ گیا۔

"کیسے...؟ کیسے جانتی ہو تم؟ میں نے تو کبھی تم سے کچھ نہیں کہا۔"

"آپ کو کیا لگا آپ کہیں گے نہیں تو مجھے کچھ معلوم نہیں ہوگا؟" اس نے اپنی بوجھل پلکیں اٹھائیں میں ششدر رہ گیا۔ "لیکن یوں پریشان

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

ہونا تو مسئلے کا حل نہیں ہے نا؟" آپ کو ان کا سامنا تو بہرحال کرنا ہی پڑے گا۔" وہ مزید گویا تھی۔

"کیا؟ کن کا سامنا۔" میں نے الجھ کر اسے دیکھا۔

"اپنے پپا اور کن کا؟" نانی امی بتا رہی تھیں کہ وہ پاکستان آرہے ہیں اور آپ ان کی وجہ سے پریشان ہیں۔" وہ روانی سے کہہ گئی۔

اور میں سوچ رہا تھا کہ وہ انجان ہی رہے تو اچھا ہے۔ میں نے گہری سانس ہَوا کے سپرد کرتے ہوئے مسکرا کر اسے دیکھا۔

"تم ٹھیک کہتی ہو، پریشان ہونا مسئلے کا حل نہیں۔میں اب پریشان نہیں ہوں گا۔اوکے۔" میں نے مسکراتے ہوئے اس کی بات سے حظ اٹھایا۔ میں کیا سمجھا تھا بات کیا نکلی۔

عجیب کیفیت ہوئی تھی میری میں پر سکون بھی تھا بے چین بھی۔اپنی حالت پر خود ہی مسکراتے ہوئے اٹھا۔"مجھے ایک ضروری کام سے جانا ہے۔" میں جیبوں میں ہاتھ ڈالے اس سے دور ہوتا چلا گیا اور پیچھے اس نے آنکھیں بند کر کے اپنے تصور کو ابدال مصطفیٰ کی شبیہہ سے آراستہ کیا۔کہیں دل کے اندر کی نم زمین پر محبت کی پہلی کونپل پھوٹی۔

کہتے ہیں محبت مشک کی مانند پھیلتی ہے۔محسوس ہوتی ہے اور محبت کرنے والوں کے دل ازل سے ملے ہوئے ہوتے ہیں اور احساسات صرف لمحۂ ادراک کے منتظر رہتے ہیں۔کسی کے ساتھ ایک عمر گزار کر بھی وہ اجنبی ہی رہتا ہے اور کوئی ایک لمحہ میں رگ جاں کے قریب بس جاتا ہے۔آگہی کا در وا ہوتے ہی احساسات کی دنیا تبدیل ہونے لگتی ہے

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

اور تبدیلی کا آغاز توڑ پھوڑ سے ہوتا ہے۔اس کے اندر بھی توڑ پھوڑ کا عمل شروع ہوچکا تھا۔شاید یوں کہ ابدال مصطفیٰ کے لہجے میں مہکتی محبت کی خوش بو کا اسرار پا چکی تھی اور یک دم ہی اس کے احساسات نے اک نیا پیراہن اوڑھ لیا۔دل کے ایوان میں سجی مورت اس شخص کی تھی جو ہمیشہ اس کے پاس رہا۔اس کا اپنا رہا، لیکن اب محسوس ہو رہا تھا کہ وہ قریب نہیں روح میں بستا ہے اور جہاں تک اپنا ہونے کی بات ہے تو وہ اپنا ہو کر بھی اپنا نہیں اور پرایا ہو کر بھی پرایا نہیں۔شاید اسی بے مطلبی رشتے کو محبت کہتے ہیں۔

...☆☆☆...

"السّلام علیکم!" میں اور فری بابا کے دائیں بائیں بیٹھے تھے جب ابدال مصطفیٰ نے لاؤنج میں قدم رکھا۔

"وعلیکم السّلام! جیتے رہو بیٹے سکینہ آپا کہاں ہیں؟ انہیں بلایا تھا میں نے۔" بابا نے ان کے جھکے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے نانی امی کی بابت پوچھا۔

"وہ آرہی ہیں۔کوئی خاص بات ہے کیا؟" انہوں نے سینٹرل ٹیبل پر پڑا اخبار اٹھالیا۔

"جی ہاں خاص نہیں، بہت خاص بات ہے۔"بابا کے بجائے جواب دیتے ہوئے میں نے فری کو چھیڑا۔وہ جھینپ گئی۔بابا نے میرے سر پر چپت لگائی۔

"فری کے رشتے کے سلسلے میں گئے تھے نا تمہیں تو معلوم ہے۔ان لوگوں نے ہاں کہہ دی ہے۔ہم لوگ بھی تقریباً راضی ہیں۔اب ان کو مثبت جواب دے کر منگنی کی رسم کرلیتے ہیں۔"مما نے کہتے ہوئے ان کے آگے شامی کباب کی پلیٹ بڑھائی۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"یہ تو بہت اچھی خبر ہے۔پھر شادی کا ارادہ کب تک ہے؟" نانی امی کہتی ہوئی آئی تھیں۔غالباً انہوں نے مما کی بات سن لی تھی۔

"بس سکینہ آپا جیسے ہی بیلا کا مناسب رشتہ ملتا ہے دونوں کی اکھٹے کردیں گے۔" بابا نے ہم دونوں کے سر پر ہاتھ رکھا۔ابدال مصطفیٰ نے بے چینی سے رخ تبدیل کیا۔

"اصغر کب آرہا ہے؟ اس کی آمد کے بعد ہی پروگرام رکھتے ہیں کیا خیال ہے؟" بابا نے مما کی طرف دیکھا تو انہوں نے تائیدی انداز میں سر ہلایا۔

"ان شاء اللہ کل پہنچ جائے گا۔" نانی امی نے کہتے ہوئے ابدال ماموں کی طرف دیکھا۔وہ لب بھینچے ہوئے خاموش تھے۔یک دم اٹھ کھڑے ہوئے سب کی سوالیہ نظریں اٹھیں۔

"میں لان میں ہوں بیلا مجھے چائے وہاں پہنچا دینا۔" وہ کہتے ہوئے چلے گئے تو نانی امی نے تاسف سے سر جھٹکا۔

"سنبھل جائے گا سکینہ آپا پریشان نہ ہو، باپ بیٹا ہیں دونوں، کب تک ناراض رہیں گے۔اسے آلینے دیں اپنے بیٹے کو خود منائے گا۔" بابا نانی امی کو تسلیاں دینے لگے۔فون بجنے لگا تو فری فون ریسیو کرنے اٹھی۔

"جاؤ تم دونوں اپنی چائے وہیں لے جاؤ۔" مما نے ٹرے مجھے تھمائی اور میں فری کو آوازیں دیتی لان کی طرف چلی آئی۔

...☆☆☆...

اگلی صبح گھر میں عجیب افراتفری کا عالم تھا۔اتوار کا دن تھا۔زور دار اٹھا پٹخ سے آنکھ کھلی۔دو مرتبہ کانوں میں انگلی ڈال کر شور سے چھٹکارا پانا چاہا۔کئی دفعہ تکیے میں سر دیا مگر بے سُود۔جھنجلا کر اٹھ بیٹھا بلیک ٹراؤزر پر بلیک ہی بنیان پہنے میں اسی حلیے میں بکھرے بالوں میں انگلیاں چلاتا باہر نکل آیا۔آگے کے منظر نے مجھے ٹھٹکنے پر مجبور کردیا۔پورا گھر بے ترتیب ہو رہا تھا۔فری اور بیلا ماسی کے ساتھ ماسی بنی دھول مٹی سے اٹی پوری طرح کام میں مگن تھیں۔میں آگے بڑھا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"کیا کر رہے ہو تم لوگ؟" میں نے دھاڑ کر کہا۔وہ تینوں ایک ساتھ اچھلی تھی۔بیلا کے ہاتھ میں موجود شو پیس قدم بوس ہوا اور ساتھ اس کی چیخ بلند ہوئی۔

"کیا ہو گیا؟" امی باورچی خانے سے باہر نکلی تھیں۔میں گھبرا کر بیلا کی طرف بڑھا۔جو اپنا پاؤں تھام کر وہیں بیٹھ گئی۔چہرے پر کرب رقم تھا۔

"دکھاؤ مجھے!" میں نے اس کے مقابل بیٹھ کر اس کے ہاتھوں میں دبا اس کا دایاں پاؤں تھاما اس کی آنکھوں میں شدتِ درد سے آنسو آگئے تھے۔لکڑی کا ہیوی سا ڈیکوریشن پیس تھا۔جو

پاؤں پر گرا تھا۔فری بام لے آئی تھی۔امی نے اسے اٹھا کر صوفے پر بٹھایا اور اس کے پاؤں پر بام لگانے لگیں۔میں پشیماں سا ایک طرف ہٹ گیا۔

”ہوا کیا تھا آخر؟“ امی نے پوچھا۔میں نے بیلا کی طرف دیکھا وہ خاموش تھی۔

”وہ جی...!“ غالباً کام والی کچھ کہنے کا ارادہ رکھتی تھی۔

”میرے ہاتھوں سے یہ پھسل گیا تھا۔“ بیلا نے اس کی بات کاٹ دی۔

”چلو اب تمہیں کچھ کرنے کی ضرورت نہیں ہے آرام کرو۔“ امی نے اس کا پاؤں سیدھا کیا۔

”ارے واہ! ایسے کیسے کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ابھی کچن کا بھی اتنا کام ہے میں کرواؤں گی۔“ بیلا بضد تھی۔

”نانی امی اس کے پاؤں میں چوٹ لگی ہے یا دماغ میں۔“ فری نے چھیڑنے والے انداز میں کہا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

”محترمہ بیلا فاروق خود کہہ رہی ہیں کہ مجھے کام کرنا ہے۔اللہ خیر کرے۔“ فری اسے چڑا رہی تھی۔وہ ٹھنکی۔

”نانی امی سمجھالیں اسے۔“ دھمکی آمیز جملہ بیلا کی طرف سے آیا۔

”بس کرو فری میری بیٹی کو پریشان مت کرو۔ابدال وہاں کیوں کھڑے ہو، میں ناشتا لاتی ہوں ٹیبل پر چلو۔“ وہ بہ یک وقت مجھ سے اور فری سے مخاطب ہوئیں۔

”کمرے میں بھیج دیں۔“ ان سے کہتا ہوا میں اپنے کمرے میں چلا آیا۔

تھوڑی دیر بعد دستک ہوئی۔میری اجازت ملتے ہی بیلا ہاتھ میں ٹرے تھامے اندر چلی آئی۔

”تم کیوں لائیں پیر میں تکلیف ہوگی۔آرام کرو۔“ میں نے جوگرز پہنتے ہوئے کہا۔

”بھئی آج نہیں کل آرام کروں گی۔ آج تو نانی امی کے خصوصی مہمان آرہے ہیں اور کام بھی بہت ہیں نانی امی اکیلے کریں گی۔ آرام کرنا اچھا لگے گا کیا؟“ وہ جوس گلاس میں انڈیل رہی تھی۔

”ہونہہ...! مہمان نہیں مالک ہیں وہ اس گھر کے۔“ میں استہزائیہ ہنسا اور گلاس اٹھالیا۔

”او... ہاں... وہی...!“ ویسے آپ کہیں جا رہے ہیں کیا؟“ وہ مجھے تیار دیکھ کر پوچھ رہی تھی۔

”ہوں۔“ میں نے جوس کا گھونٹ لیتے ہوئے کہا۔

”کب تک آئیں گے؟“ پھر سوال آیا۔

”رات میں۔“ میں جانتا تھا وہ کیوں پوچھ رہی ہے۔

”جلدی آجائیے گا۔“ وہ سرسری کہہ رہی تھی لیکن مجھے معلوم تھا اسے امی نے کہا ہوگا۔

”کیوں، کوئی خاص کام ہے؟“ میں تلخ ہوا۔

”آپ کو پتا تو ہے انکل وغیرہ آجائیں گے دوپہر تک۔“ وہ متذبذب تھی۔

”ان کے آنے اور جانے کا مجھ سے نہ کبھی کوئی تعلق تھا، نہ ہے۔“ وہ کچھ کہنے لگی تھی میں سنے بنا گھر سے نکل آیا۔

...☆☆☆...

سارا دن سیف کے ساتھ اس کے گھر گزارنے کے بعد میں اس کے بہت زور دینے پر ہی گھر جانے کے لیے نکلا تھا۔ مگر جانے کا دل نہیں چاہ رہا تھا۔ عجیب سے احساسات تھے۔ میں نے گاڑی کا رخ ساحل کی طرف موڑ دیا۔ بے فکرے لوگوں کا ہجوم ساحل کو رونق بخش رہا تھا۔ میں نے گاڑی ساحل سے کچھ دور کھڑی کی اور جوگرز گاڑی میں ہی اتار دیے۔ ننگے پاؤں چلتا ہوا نسبتاً پر سکون گوشے میں ایک پتھر پر ٹک گیا۔ رات کے پھیلتے اندھیرے میں تا حد نظر سمندر کے آخری سرے پر لہروں کا

جھاگ اپنی طرف بڑھتا ہوا خاصا ڈراؤنا لگ رہا تھا۔ آخری تاریخوں کا چاند مجھے اپنی طرح اداسی اور ناامیدی کی چادر میں لپٹا نظر آیا۔

نہ جانے کتنے لمحے وقت کی آغوش میں دم توڑ گئے۔ جب میں نے لہروں کی گنتی سے اکتا کر آس پاس پھیلے سناٹے کو محسوس کیا۔ گھڑی دیکھنے کے لیے کلائی الٹی تھی۔ رات کے دوسرے پہر کا احساس دلاتی وہ مجھے اٹھنے پر مجبور کر گئی۔

جس وقت میں گھر میں داخل ہوا پورا گھر اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ احساسات بیان سے باہر تھے۔ جس شخص کا میں خون تھا اور جسے میں نے ہوش سنبھالنے کے بعد صرف پرانی تصویروں میں دیکھا تھا اس کا سامنا کرنے کا خیال نہ مجھے خوشی دے رہا تھا نہ غم۔ ہاں شاید میں ناراض تھا اور یہی ناراضگی خوشی اور غمی دونوں پر غالب تھی۔ میں نے لاؤنج کی لائٹ آن کی اور تھکے ہارے انداز میں صوفے پر ڈھیر ہوا۔ لیکن دوسرے صوفے پر نظر پڑتے میں چونک کر سیدھا ہوا۔

وہ کوئی سولہ سترہ سال کی لڑکی ہوگی۔ پیر موڑے صوفے کی پشت سے سر ٹکا کر وہ وہیں سو چکی تھی۔ گلابی رنگ کے کپڑوں میں تیکھے نقوش والی وہ لڑکی معصوم سی لگی۔ معاً اس کی پیشانی پر شکن پڑی، بند آنکھوں پر ابرو خمیدہ ہوگئے غالباً اسے نظروں کی تپش محسوس ہوئی تھی۔ میں ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ اسے اٹھاؤں یا نہیں تب تک وہ خود ہی کسمساتی اٹھ بیٹھی اور اس کے ساتھ ہی ایسا لگا کسی نے اسے چابی دے دی ہے۔

”ارے آپ آگئے؟ کتنی دیر کردی۔ میں کب سے آپ کا انتظار کر رہی تھی۔ حالانکہ سفر کی تھکان بھی کم نہیں تھی لیکن ایسا کیسے ہوسکتا ہے کہ میں آپ سے ملے بغیر سو جاتی، ویسے آپ اب تک کہاں تھے؟ آپ کو معلوم نہیں تھا کہ میں آنے والی ہوں۔ میں نے دادو کو بھی سونے بھیج دیا کہ آپ سے کھانے وغیرہ کا میں پوچھ لوں گی۔ اب میں کوئی مہمان تو ہوں نہیں جو جاکر آرام سے سو جاؤں اور چار دن کے بعد اپنے گھر چلی جاؤں۔ اب تو میں یہاں سے کہیں نہیں جاؤں گی۔ ویسے آپ اب

تک یہیں کیوں کھڑے ہیں جائیے فریش ہو کر آجائیے۔لیکن اس سے پہلے یہ بتائیے کھانا کھائیں گے نا؟ میں اس لیے پوچھ رہی ہوں کہ ایسا نہ ہو کہ آپ کھا کے آئے ہوں، میری بات سمجھ رہے ہیں نا؟ سمجھ ہی رہے ہوں گے ورنہ یوں چپ چاپ کھڑے سن تھوڑی رہے ہوتے مجھے ٹوک چکے ہوتے، ہے نا؟ مگر آپ شاید کم بولتے ہیں ویسے آپس کی بات ہے خاموشی کا زمانہ نہیں ہے۔انسان کو بولنا چا...!"

"چپ...! بالکل چپ۔" میں جو پل دو پل کو پُرسکون ہوا تھا اس کی بنا فل اسٹاپ اور کومے کی گفتگو سے دماغ کی اوپری منزل جھنجنا اٹھی۔وہ مجھے اس گڑیا کی طرح لگی جسے سلا دو تو آنکھیں بند کیے چپ چاپ پڑی رہتی ہے اور چابی بھر دو تو بنا رکے چلتی جاتی ہے۔اپنی تین منٹ کی تیز گام جیسی تیز رفتار گفتگو میں اس نے مجھ سے متعدد سوالات پوچھے تھے لیکن مجھے جواب کا موقع دیے بنا آگے بڑھتی رہی تھی۔

"کون ہو تم؟" میں نے سپاٹ لہجے میں پوچھا اتنا تو میں سمجھ گیا تھا کہ وہ ان کے ساتھ ہی آئی ہے۔

"ارے مجھے نہیں جانتے آپ؟ کوئی بات نہیں میں تو آپ کو اچھی طرح جانتی ہوں آپ محترم ابدال مصطفیٰ ہیں۔بیلا اور فری نے مجھے آپ کے بارے میں سب کچھ بتا دیا ہے۔" وہ پھر سے شروع ہوچکی تھی۔"لیکن ان کے بتانے سے پہلے بھی میں آپ کو جانتی تھی۔ہاں اس بات کا مجھے دکھ ہے کہ آپ مجھے نہیں جانتے۔" وہ کہتے کہتے آخر میں رنجیدہ ہوگئی میں نے اسے دیکھا۔"خیر کوئی بات نہیں اب میں آگئی ہوں اب ہم دونوں ایک دوسرے کو اچھی طرح جان لیں گے۔" وہ ایک دم واپس اپنے ٹریک پر آئی۔میں ہونق کھڑا اس دھوپ چھاؤں سی لڑکی کو دیکھ رہا تھا۔جس کا چہرہ مجھے پرانی تصویروں میں نظر آنے والی صورت کی شبیہہ سمیٹے ہوئے لگا تھا۔اس نے اپنی پونی ٹیل کو دونوں ہاتھوں سے کسا اور میری طرف ہاتھ بڑھا دیا۔

"ہیلو! مجھ سے ملیے میں ہوں نگارش مصطفی آپ جناب کی چھوٹی معصوم اور بھولی بھالی بہن ہونے کا شرف رکھتی ہوں۔نائس ٹو میٹ یو۔" مسکرا کر معصومیت سے کہتی وہ مجھے چونکا گئی اور تب مجھے یقین ہو گیا کہ اس کے چہرے میں کس کی شباہت ہے۔میں سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ کیا رد عمل ظاہر کروں۔دل گداز ہو رہا تھا اور دماغ انا کے بھنور میں جکڑا تھا۔میں نے ایک نظر اس کے بڑھے ہوئے ہاتھوں کو دیکھا۔پھر رخ پھیر کر اپنے روم کی طرف چل دیا۔

"ابدال بھائی!" اس نے ہمارے درمیان کے خوب صورت رشتے کو نام دیا تو مجھے اسے نظر انداز کرنا مشکل ہو گیا۔میں ٹھہر گیا۔وہ دھیرے دھیرے قدم بڑھاتی میری پشت پر آ رکی۔

"آپ ناراض ہوں گے۔یہ ممی پاپا کو لگتا ہے۔آپ ان سے بات نہیں کریں گے ان سے ملیں گے بھی نہیں یہ بھی ممی پاپا کو لگتا ہے لیکن مجھے ایسا نہیں لگا تھا کبھی بھی۔میں نے ہمیشہ یہی سوچا کہ جو کچھ ہوا اس

میں نہ آپ کا قصور تھا نہ میرا پھر ہمارے درمیان ناراضگی کی دیوار کیوں بننے لگی؟ جب مجھے پتا چلا کہ ہم پاکستان جا رہے ہیں تو میرے لیے خوشی کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ وہاں میرا ایک بھائی ہے۔جو یقینا میرا منتظر ہو گا۔مجھے اپنے سامنے دیکھ کر خوش ہو گا مگر... مگر شاید ممی پاپا کو ٹھیک لگتا تھا۔"

وہ لڑکی جو ابھی پانچ منٹ پہلے چہک رہی تھی اب دھیمے لہجے میں کہتی ہوئی مجھے اپنے بد صورت رویے پر پشیمان کر گئی۔میں اس کی طرف پلٹا وہ سر جھکائے ہاتھ مسلتی غالباً آنسو پی رہی تھی۔مجھے افسوس ہوا۔

"تم خود کو میری بہن کہتی ہو، ایک بات بتاؤ مجھے۔" میں سنجیدہ تھا وہ سر اٹھا کر دیکھنے لگی۔"کبھی چار جملوں سے کم پر بات کی ہے تم نے؟" میں متبسم ہوا وہ الجھ گئی۔میں نے اس کے قریب ہو کر راز داری سے پوچھا۔"تمہیں بولنے کی بیماری کیسے لگی؟" وہ ہونق سی مجھے بہت پیاری لگی۔

"ابدال بھائی...!" سمجھ آنے پر وہ ٹھنک کر لاڈ سے میرے شانے سے لگی اور ہم دونوں ایک ساتھ ہنسنے لگے۔کمرے سے نکلتے ہوئے امی نے یہ منظر دیکھا تو خوش امیدی سے مسکراتے

ہوئے خدا کا شکر ادا کرنے لگیں۔

...☆☆☆...

فاروق وِلا میں گہما گہمی اپنے عروج پر تھی۔افراتفری اور ہڑ بونگ میں بیلا اور نگارش بولائی بولائی پھر رہی تھیں۔مہمان آچکے تھے لیکن دونوں ابھی تک برے حلیے میں کام نمٹاتی اِدھر اُدھر پھر رہی تھیں۔میں فاروق بھائی کے کمرے سے باہر نکلا تو لاؤنج میں بیٹھی خواتین میں سے دو چار سر گھما کر مجھے دیکھنے لگیں۔میں نے بیلا یا نگارش کی تلاش میں نظریں

گھمائیں تو نگارش مجھے کچن سے گلاس ٹرے میں رکھے لے کر نکلتی نظر آئی۔

مسلے کپڑے کاندھے سے بے ترتیبی سے جھولتا دوپٹا اور الجھے بکھرے بال وہ مجھے ایک دم گھریلو سی لڑکی لگی۔اس کے بولنے اور عادات و اطوار سے بھی محسوس نہیں ہوتا تھا کہ وہ پاکستان سے باہر پلی بڑھی ہے۔میں اسے دیکھ کر مسکرا دیا۔وہ گلاس مطلوبہ جگہ پہنچا کر میرے قریب آگئی۔

"کیوں بھائی! اکیلے اکیلے کیوں مسکرا رہے ہیں؟ ویسے میں نے سنا ہے کہ...!" وہ حسب عادت شروع ہوچکی تھی۔

"تمہیں امی بلا رہی ہیں۔" میں نے اسے بریک لگایا۔

"ہائے دادو سے یاد آیا کہ آپ کو بتا دوں کہ آج دادو نے آپ کے لیے لڑکی پسند کرلیں گی۔لیکن آپ فکر نہ کریں آپ کو دکھانے کی ذمہ داری میری ہے۔ویسے...!" وہ راز داری سے میرے قریب ہوئی۔

"آپ کو کوئی اور پسند ہے تو مجھے بتادیں۔میں سب سنبھال لوں گی۔کیا سمجھے۔" میں اس کی بات پر محض مسکرا رہا تھا۔

"بہت خوشی ہو رہی ہے اپنے لیے لڑکی پسند ہونے پر؟" وہ چڑ گئی۔

"ابھی جب تمہیں زبردست قسم کی جھاڑ پڑے گی نا تب مجھے اور زیادہ خوشی ہوگی۔" میرے کہنے پر وہ سوالیہ نظروں سے مجھے دیکھنے لگی۔"فری کے سسرال والے نکل چکے ہیں گھر سے اگلے بیس منٹ میں وہ یہاں پہنچ جائیں گے۔" میں نے کہتے ہوئے اس کے حلیے کی طرف اشارہ کیا اور چڑانے والے انداز میں مسکرایا۔

"ابدال بھائی! میں اب آپ سے بات نہیں کروں گی۔یہ بات پہلے نہیں کہہ سکتے تھے۔" وہ نروٹھے لہجے میں کہتی الٹے پاؤں اندر کی طرف بھاگی اور میری مسکراہٹ گہری ہوگئی۔

اور وہ جو گھنٹہ بھر پہلے نعرۂ ناراضگی بلند کر کے گئی تھی۔ گھنٹے بعد پھر میرے پہلو میں کھڑی نت نئی لڑکیاں مجھے دکھا رہی تھی۔وہ پروین خالہ

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

کی لڑکی، وہ نسیمہ پھوپو کے دیور کی بیٹی، وہ فلاں کی نواسی، وہ فلاں کی پوتی۔میں اس کی سنتا، دیکھ صرف اسے ہی رہا تھا جو فری کے برابر فیروزی لباس میں ملبوس آسمان سے اتری اپسرا معلوم ہو رہی تھی۔اس کے خوب صورت چہرے کا غرور اس کے حسن کو مزید جلا بخش رہا تھا۔ فری کا ہاتھ تھامے ہوئے وہ کسی بات پر مسکرا رہی تھی اور میری نگاہیں اس پر سے ہٹنے سے انکاری ہوئیں۔میں یک ٹک دل کی بے کلی محسوس کرتے ہوئے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"آھم... آھم... آھم...!" میں چونک گیا میرے برابر کھڑی نگارش نے میری محویت محسوس کرلی۔وہ دانستہ معنی خیزی سے کھنکاری میں نے خجل ہوتے ہوئے سر کھجایا تو وہ مسکرادی۔

"کیا ہوگیا ہے؟" میں اس کی معنی خیز چپ سے چڑ گیا۔

"نہیں، نہیں کوئی پریشانی کی بات ہے بھلا یہ بیلا... اف، مجھے پہلے کیوں نہ خیال آیا۔ میں ابھی دادو سے کہتی ہوں وہ یوں سب سیٹ کردیں گی۔" اس نے چٹکی بجائی۔

"فری کے ساتھ میں آپ کی منگنی بھی ابھی ہوجائے تو کتنا اچھا ہو آپ ٹھہریں میں ابھی آئی...!" وہ مزید کہتی ہوئی جارہی تھی جب میں نے اسے کلائی تھام کر روکا۔

"کہاں جا رہی ہو؟" دماغ درست ہے تمہارا؟" میں نے عجلت میں بھی آواز دھیمی ہی رکھی۔

"لو بھلا اس سے دماغ کی درستی کا کیا تعلق؟ آپ کو بیلا پسند ہے، میں ابھی دادو سے کہتی ہوں۔ رشتہ دے دیتے ہیں۔ سب سیٹ! مسئلہ کیا ہے؟" وہ کہتی ہوئی پھر بڑھی میں نے سرعت سے اسے روکا۔

"تم پاگل ہوگئی ہو آؤ میرے ساتھ۔" میں اسے کھینچتا ہوا کمرے میں لے آیا۔

"یہ سب اتنا آسان نہیں ہے۔ تمہیں معلوم نہیں ہے وہ مجھے بچپن سے کسی اور رشتے سے دیکھ رہی ہے۔ نگارش! میں اس کی نظر سے گرنا نہیں چاہتا۔ میں نہیں چاہتا کہ وہ میرے بارے میں منفی انداز سے سوچے، میں نے ہمیشہ اس کا احترام کیا ہے لیکن اس بات کے کھلتے ہی سب کے ساتھ سب کے ساتھ ساتھ اس کے احساسات کو بھی ٹھیس پہنچے گی۔" میں رنجیدہ تھا۔

"کیا مطلب؟ وہ آپ کی سگی بھانجی نہیں ہے جو آپ اتنے تذبذب میں پڑے ہیں وہ صرف آپ کو ماموں سمجھتی ہے تو سمجھنے کا کیا؟ یہ فرضی

رشتہ کوئی پتھر پر لکیر نہیں ہے۔ٹھوس اور مضبوط رشتہ تو وہ ہو گا جو جائز اور مذہبی اعتبار سے بھی مضبوط ہو اور ویسے بھی رشتہ بدلے تو احساسات خود بخود بدل جائیں گے۔آپ مجھے بات تو کرنے دیں۔" وہ سنجیدگی سے کہتی ہوئی واپس اپنے انداز میں لوٹ آئی۔

"میں دادو سے کہتی ہوں کل پرسوں تک باقاعدہ رشتہ بھیج دیتے ہیں۔"

وہ اس آسانی سے کہہ رہی تھی کہ میں نے سر تھام لیا۔

"نگارش! تم سمجھ نہیں رہی ہو... وہ...!"

"سمجھ آپ نہیں رہے، بات کرنے میں کیا حرج ہے؟ دیکھ لیجیے گا دادو بھی معترض نہیں ہوں گی۔آپ نے کیوں ٹینشن لے رکھی ہے اک چھوٹی سی بات کی۔" وہ مسکرائی چند لمحے بنا چکھ کہے گزر گئے۔

"ابدال بھائی!" میں جو سوچ میں ڈوبا تھا، چونک گیا۔

"ہوں...!" میں نے اسے دیکھا وہ سر جھکائے ہوئے تھی۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"ممی پپا دو دن بعد واپس جا رہے ہیں۔" میں نے اسے سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔

جہاں تک میرا خیال تھا وہ پاکستان ہمیشہ کے لیے شفٹ ہوئے تھے اور اسی وجہ سے میں نے بالا ہی بالا یہ گھر چھوڑنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔انہیں یہاں رہتے ہوئے ایک ہفتہ ہوچکا تھا لیکن میں نے انہیں ابھی تک خود سے بات کرنے کا موقع نہیں دیا تھا اور اب یہ واپسی کی خبر...!

"انہیں لگتا ہے کہ آپ ان کے یہاں رہنے کی وجہ سے ڈسٹرب ہو رہے ہیں اور وہ آپ کو مزید تکلیف پہنچانا نہیں چاہتے۔" وہ میرے چہرے پر کچھ کھوجتی نظریں جمائے ہوئے تھی۔

"اور تم؟ تمہیں بھی یہی لگتا ہے؟" وہ میرے پوچھنے پر مسکرائی۔

"نہیں! مجھے لگتا ہے کہ آپ کی ناراضگی ایک بھربھری ریت کی دیوار ہے۔ذرا سی ٹھیس سے زمین بوس ہوجائے گی۔"

میں نے اسے متاثر کن نظروں سے دیکھا وہ مجھے کتنا جاننے لگی ہے۔

"تمہاری اردو اتنی شستہ کیسے ہوئی نگارش؟" میں نے دانستہ بات بدلی۔

"مما پپا کی وجہ سے انہوں نے گھر میں اردو بولنے کا قانون لاگو کر رکھا تھا۔سو مجھے اردو اچھی طرح آتی ہے۔" وہ فخریہ مسکرائی۔

"نگارش!" بیلا نے دروازے سے جھانکا۔میں اور نگارش دونوں اس طرف متوجہ ہوئے۔

"تم یہاں ہو، سارا گھر چھان مارا اور یہاں بھائی بہن کے راز و نیاز ختم ہونے میں نہیں آرہے۔چلو فٹافٹ، وہاں میں اکیلی گھن چکر بن گئی ہوں۔" وہ تیز تیز بولتی ہوئی اندر آکر نگارش کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے ساتھ کھینچتی ہوئی لے گئی اور میں کمرے کی کھڑکی میں آکھڑا ہوا۔جہاں سے لان کا منظر دکھائی دے رہا تھا۔

...☆☆☆...

ابھی چند لمحے پہلے نگارش مجھے جو کچھ بتا کر گئی ہے میں اس کے لیے گو کہ پہلے سے تیار تھا مگر پھر بھی نارسائی کی آگ میں سلگتا دل بے کل

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

تھا۔روح پر عجب بے بسی سی طاری تھی جیسے ہر شے کا اختیار ہوتے ہوئے بھی ہاتھ پاؤں بندھے ہوں۔میں بیڈ پر آڑھا ترچھا لیٹا تھا۔بند آنکھوں کے ادھر وہی تھی۔نگارش کی باتیں سماعتوں میں گونج رہی تھیں۔وہ باتیں جو پہلے ہی متوقع تھیں۔

"ایسا کس طرح ہوسکتا ہے ؟ بیلا اور ابدال اس طرح ایک دوسرے کو قبول کریں گے؟" فاروق بھائی معترض تھے۔

"لوگ سو سو باتیں بنائیں گے۔ہم کس کس کو وضاحت دیتے پھریں گے۔" آپا نے بھی نیا نکتہ اٹھایا تھا۔

"ہم نے ابدال پر بھروسا کیا، اسے اپنے گھر کا فرد سمجھا ہے اور خدانخواستہ ابدال میں کوئی کمی بھی نہیں ہے۔لیکن معاف کرنا اصغر یہ ممکن نہیں ہے۔" بالآخر فاروق بھائی نے پپا سے معذرت کی تھی۔

سینے میں اٹھتی ٹیس سے نڈھال میں نے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں میں بال پھنسائے۔معاً دروازے پر دستک ہوئی۔

"آجاؤ نگارش۔" امی کو میرے کمرے میں آنے کے لیے دستک کے تکلف کی ضرورت نہیں تھی اور میرے کمرے میں نگارش کے علاوہ کون آسکتا تھا۔سو میں نے اس کا نام لیا لیکن غیر

متوقع شخصیت کو اندر آتے دیکھ کر میں نے دانستہ رخ پھیر لیا۔وہ میرے سامنے آکھڑے ہوئے۔میں نے ایک نظر دیکھا۔

"ہو سکے تو مجھے معاف کردینا۔میں نے ہمیشہ تمہیں خود سے دور رکھا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ میں تم میں تمہاری ماں کو دیکھتا تھا اور اس کی بے وفائی کی سزا میں نے تم سے لا تعلقی اختیار کر کے تمہیں دی اور آج احساس ہو رہا ہے اس کی سزا نادانستہ طور پر اپنے آپ کو دی۔اس

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

باپ کی بد نصیبی کا اندازہ کرلو کہ اس کا جوان بیٹا اسے اپنا باپ ماننے سے انکاری ہے۔جب تک مجھے احساس ہوا تم مجھ سے متنفر ہوگئے۔"

میں خاموشی سے ان کی وضاحت سن رہا تھا جس کی مجھے کوئی ضرورت نہیں تھی، لیکن سامنے کھڑا تھکاتھکا سا شخص بہرحال میرا باپ تھا اور شاید میرے اندر بھی کہیں نہ کہیں۔ان کے سینے سے لگنے کی خواہش پنپ رہی تھی۔مجھے بھی کاندھا درکار تھا جس پر سر رکھ کر میں اپنے آنسو، درد اور اذیتیں بہاکے پر سکون ہوجاتا۔وہ پلٹے اور چلتے ہوئے کھڑکی میں جا کھڑے ہوئے میں نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا۔وہ خاموش تھے۔

"تمہیں امی کے حوالے کر کے میں واپس گیا تو بہت مایوس تھا۔زندگی گزارنے کا مقصد صرف زندہ رہنا باقی رہ گیا تھا۔پھر میری زندگی میں زوہا آئی۔زوہا حالات کی ستائی ہوئی پاکستانی لڑکی تھی۔اس نے ان نازک حالات میں مجھے سنبھالا اور پھر ہم شادی جیسے خوب صورت بندھن میں بندھ گئے۔زندگی خوب صورت ہوگئی۔"

وہ کھڑکی میں کھڑے باہر یوں دیکھ رہے تھے جیسے اپنی گزری ہوئی زندگی کو دہرا رہے ہوں۔میں چپ چاپ ان کے بالوں میں اتری دھوپ پر نظریں جمائے کھڑا تھا۔نگارش نے اس خوب صورتی کو چار چاند لگا دیے اور جب مجھے بیٹے کی کمی محسوس ہوئی تو مجھے یاد آیا کہ پاکستان میں میرا ایک بیٹا ہے اور جب تک مجھے تم یاد آئے تم مجھے بھول گئے۔“

وہ میری طرف مڑے میں انہیں ہی دیکھ رہا تھا۔پھر سے میرے سامنے آٹھہرے۔

”جانے سے پہلے ایک مرتبہ تم سے روبرو اپنے کیے ہوئے ناروا سلوک کی معافی مانگنا چاہتا تھا۔ہاں میں مانتا ہوں میں تمہاری ماں سے نفرت کرتا ہوں اور ہمیشہ کرتا رہوں گا لیکن ایک بات یاد رکھنا ابدال! محبت تو ہم ہر کسی کے لیے محسوس کرلیتے ہیں اور بہت آسانی سے محبت کرلیتے ہیں۔لیکن نفرت اور بے انتہا نفرت ہم بہت خاص شخصیت سے کرتے ہیں۔“

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

ان کی آنکھوں میں چمکتا پانی مجھے حیران کر گیا۔انہوں نے افسردہ سی مسکراہٹ کے ساتھ آنکھوں پر لگا چشمہ نکال کر دوسرے ہاتھ کی انگلیوں سے نم آنکھوں پر دباؤ ڈالا، پھر دوبارہ چشمہ لگا کر سر اٹھایا۔

”میں اور زوہا کل واپس جا رہے ہیں۔جاتے ہوئے سوچا تھا کہ تم نے ہمیشہ محبتوں کی کمی محسوس کی ہے تو تمہیں تمہاری محبت کی صورت ایک پیارا سا رشتہ دے جاؤں لیکن شاید قدرت تمہیں میرے ہاتھوں کوئی خوشی نہیں دینا چاہتی۔“ وہ رنجیدہ تھے۔”تم اپنی جگہ حق بجانب ہو لیکن پھر بھی مجھے معاف کردینا اور نگارش کا خیال رکھنا اسے یہیں چھوڑے جا رہا ہوں۔امید ہے تم اسے میرے کیے کی سزا نہیں دو گے۔“ وہ میرا شانہ تھپتھپا کے آگے بڑھ گئے۔میں چپ چاپ کھڑا ان کی گفتگو سن رہا تھا۔

”پپا!“ یک دم من میں نجانے کیا سمائی کہ انہیں پکار بیٹھا۔دماغ نے جیسے کسی فیصلے پر مہر لگا دی۔میں راہِ فرار کی تلاش میں تھا تو وہی راہ میرے سامنے روشن ہوگئی۔

میرے ہونٹوں کی جنبش پر جاتے قدم تھم گئے۔وہ حیرانی سے پلٹے تھے۔

"پپا میں کچھ دنوں کے لیے آپ کے ساتھ جانا چاہتا ہوں۔" میں نے تیزی سے جملہ مکمل کیا اور وہ ہکّا بکّا مجھے دیکھ رہے تھے۔پھر آگے بڑھے۔

"ابدال... ابدال بیٹے... تم!" فرطِ مسرت سے ان کے منہ سے بات نہیں نکل رہی تھی۔وہ روتی آنکھوں سے مسکرا رہے تھے۔میں بے ساختہ ان کے سینے سے تھا، لگا آنکھیں اشک بار ہوئیں۔انہوں نے مجھے بھینچ کر گلے لگایا۔

"تمہارے کاغذات بنوانے اور دوسری کارروائیوں میں کچھ دن لگیں گے۔ میں اپنی سیٹ کینسل کرواتا ہوں۔ہم تینوں ساتھ چلیں گے۔نگارش کو فی الحال امی کے پاس ہی رہنے دیتے ہیں۔" وہ مجھے خود سے لگائے آگے کے پروگرام بنا رہے تھے اور میں ان کی پدرانہ شفقت کی حدّت محسوس کرتا خود کو پر سکون کر رہا تھا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

...☆☆☆...

میں نے وجود پر لپٹی چادر سمیٹ کر پرے کی اور اٹھ بیٹھی سائیڈ ٹیبل کا لیمپ آن کیا فری برابر میں لیٹی گہری نیند میں تھی۔اس کے پرسکون چہرے پر نرم سی مسکراہٹ، بھلی معلوم ہو رہی تھی۔میں اس کی پر سکون نیند پر رشک کرتی اٹھ کھڑی ہوگئی۔مزید بے خواب بستر پر کروٹ بدلنے کی ہمت نہیں تھی مجھ میں۔لیمپ کی مدھم روشنی میں کمرے کی ہر چیز پراسرار نظر آرہی تھی۔میں کھڑکی میں چلی آئی۔ گرمیوں کے دن تھے کچھ موسم بھی حبس کا تھا اور کچھ گھٹن روح میں تھی۔میں نے آنکھیں موند کر گہری سانس لی۔

یہ کیسا راستہ ہے جس کا کوئی اختتام نہیں۔منزل کا نام و نشان نہیں ہے۔ واپسی کا بھی امکان نہیں۔کئی مرتبہ فری سے شیئر کرنا چاہا لیکن پھر اسے کیا منہ دکھاتی کہ میں کیسی سوچ رکھتی ہوں کہ ان

کے اور اپنے درمیان رشتے کا تقدس برقرار نہیں رکھ سکی۔بند آنکھوں کے پیچھے سے پلکوں کے درمیان راستہ بناتا نمکین پانی رخساروں کی وادی سیراب کرنے لگا۔میں وہیں دیوار سے لگ کر بیٹھ گئی۔پیر موڑے اور اس کے گرد بازو لپیٹ کر سر گھٹنوں پر ٹکا دیا۔خیال نے پھر اڑان بھری۔دو دن سے ابدال مصطفیٰ مجھ سے بھاگ رہے تھے نہ گھر پر ملتے نہ یہاں آتے اور آج نگارش نے بتایا کہ ”وہ جانے کی تیاریوں میں ہیں۔“

میں جو اب تک بے آواز رو رہی تھی، بے ارادہ سسک اٹھی۔

”کیا بیلا فاروق کی ان کے نزدیک اتنی سی بھی وقعت نہیں کہ کم از کم مجھے بتانا ہی گوارا کرلیتے۔وہ سمجھتے ہیں ان کی پُرشوق نگاہوں کی حدت مجھے محسوس نہیں ہوئی۔وہ سمجھتے ہیں کہ انہوں نے اقرار نہیں کیا تو میں انجان ہوں وہ سمجھتے ہیں وہ مجھ سے چھپتے پھریں گے تو میں انہیں بھول جاؤں گی۔؟ وہ غلط سمجھتے ہیں، وہ بالکل غلط سمجھتے ہیں۔“

میری بڑ بڑاہٹ اونچی ہوگئی لیکن مجھے احساس نہیں ہوا۔

”بیلا...!“ فری جاگ کر میرے برابر میں آبیٹھی۔اس نے میرے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے مجھے پکارا، میں اپنی جگہ ساکت ہوگئی۔

”بیلا!“ اس نے پھر پکارا میں نے جھکا سر مزید جھکالیا۔آنسو ابھی بھی روانی سے بہہ رہے تھے۔

”بیلا! پلیز یوں سر جھکانے سے کچھ نہیں ہوگا، حقیقت کو فیس کرو۔“ میں نے بھیگا چہرہ اٹھا کر اسے دیکھا اور میرا بھیگا چہرہ دیکھ کر دنگ رہ گئی۔ میں اس کے گلے سے لگی پھوٹ پھوٹ کر روئی۔

”تم نے مجھے بتایا کیوں نہیں؟“ فری میری پشت تھپک رہی تھی۔اس نے غالباً میری بڑ بڑاہٹ پوری طرح سن لی تھی۔

”کیا بتاتی؟“ فری لاجواب ہوئی۔

"اب تو رونا دھونا بند کرو، میں بات کرتی ہوں امی بابا سے۔" اس نے مجھے خود سے الگ کر کے میرے بکھرے بال اپنے ہاتھوں سے سنوارے۔

"اب کچھ نہیں ہوسکتا وہ ملک سے باہر جا رہے ہیں۔" میں نے اپنے خدشے کا اظہار کیا۔

"وہ کوئی مسئلہ نہیں ہے۔بس امی بابا کو تھوڑا قائل کرنا پڑے گا۔تم پریشان مت ہو، میں کل بات کرتی ہوں۔" وہ مجھے حوصلہ دے رہی تھی۔

"اب چلو چل کر سو جاؤ یوں جاگ جاگ کر رونے سے طبیعت خراب ہوجائے گی۔چلو اٹھو۔" اور پھر واقعی اس نے اگلی صبح ناشتے کی میز پر ہی یہ بحث چھیڑ دی۔

"فری! فضول باتیں مت کرو۔" مما نے اسے ٹوکا۔وہ پاپا کی طرف متوجہ ہوئی۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"بابا! آپ بتائیے اس میں غلط کیا ہے؟ ابدال ماموں میں کوئی برائی نہیں ہے، بیلا کے لحاظ سے جوڑ اچھا ہے پھر انکار کی وجہ۔" فری رسان سے گویا تھی بیلا نے بیگ اٹھایا اور اللہ حافظ کہتی گھر سے نکل آئی۔

"انکار کی وجہ تم نے خود بتادی۔تم نے اور بیلا نے بچپن سے اسے جس رشتے میں پہچانا ہے اس طرح اب ایک دم سے نوعیت بدلنے سے بیلا کو مشکل ہوگی بیٹا۔"

"اگر اس کی کسی اور جگہ کسی انجان شخص سے شادی ہوتی ہے تو بھی اسے پریشانی ہوگی بابا۔"

"فری! کیوں گڑے مردے اکھاڑ رہی ہو، جو کرنا تھا ہم نے کردیا۔اب ان سب باتوں کا کوئی فائدہ نہیں۔" مما بھی ہمارے ساتھ آبیٹھیں۔

"آپ کو پتا ہے ابدال ماموں کل اصغر انکل کے ساتھ جا رہے ہیں۔آپ کو نہیں لگتا ہم ایک بے مطلب کی بات کو جواز بنا کر آپس کے تعلقات خراب کر رہے ہیں۔"

"یہ بے مطلب کی بات نہیں ہے فری! ہم ہمارے ملنے جلنے والے دوست، احباب، رشتہ دار کس کس کو سمجھائیں گے کہ یہ غلط نہیں ہے۔ کس کس کو وضاحت دیں گے۔"

"مما! یہ تمام ملنے جلنے والے ان منہ بولے رشتوں کی اصلیت سے واقف ہیں۔ منہ بولے رشتے اتنے مضبوط نہیں ہوتے کہ بدلے نہ جا سکیں۔ آپ نے بیلا سے بھی پوچھا۔ ہوسکتا ہے اس سب میں ابدال ماموں اور بیلا کی رضا مندی شامل ہو، پھر کیا انہیں اس فیصلے سے تکلیف نہ ہوگی؟" فری نے اپنی جانب سے ان دونوں کا مقدمہ پیش کردیا تھا۔ پھر وہ اٹھ گئی اور وہ دونوں نفوس ساکت رہ گئے۔

...☆☆☆...

میں ڈرائیو کرتے ہوئے سب کے سیل فونز ٹرائی کر رہا تھا۔ کسی کا نیٹ ورک بلاک تھا، کہیں انگیج ٹون۔ گھر کے نمبرز پر بھی نو رسپانس۔ میں بے انتہا پریشان ہوا تھا۔ اسی دم مجھے سیف کا میسج موصول ہوا۔ حالات ایک

دم بگڑ گئے تھے۔ مین روڈ پر ٹریفک بلاک ہر طرف فائرنگ۔ میں نے گاڑی گلیوں سے نکالنی شروع کی نتیجتاً مطلوبہ جگہ پہنچنے میں دیر ہوگئی۔ وہاں ابھی بھی ہنگامہ آرائی جاری تھی۔ میں نے متلاشی نگاہیں دوڑائیں وہ مجھے کہیں نظر نہیں آئی۔ میں نے گاڑی گلی کے کونے پر کھڑی کی اور گاڑی سے نکل آیا۔ میں بیلا کی بتائی ہوئی جگہ پر کھڑا تھا مگر وہ کہیں نہیں

تھی۔ وقفے وقفے سے فائرنگ ہو رہی تھی۔ میں سپر اسٹور کے قریب چلا آیا۔ میں اسے کال کر رہا تھا مگر نو رسپانس۔ دس منٹ کی مزید کوشش کے بعد کہیں کال مل سکی۔ میں نے کلمۂ شکر پڑھا وہ اسٹور کے اندر تھی۔ میں نے اسے باہر آنے کا کہا۔

چند لمحوں بعد ہم دونوں گاڑی کی طرف رواں تھے۔جب اچانک فائرنگ شروع ہوگئی۔میں اسے ہاتھ سے پکڑ کر کھینچتا ہوا وہاں کھڑی گاڑی کی اوٹ میں ہوا۔وہ کانوں پر ہاتھ رکھے پلکیں بھینچے میرے پہلو میں گاڑی کے پیچھے جھکی ہوئی تھی۔بھیگی پلکیں لرز رہی تھیں اور خیر کی دعائیں کانپتے ہونٹوں کے سرے چوم رہی تھیں۔میں نے اس کا ہاتھ مضبوطی سے تھاما تو اس نے سہمی ہوئی نظروں سے مجھے دیکھا۔بھیگی آنکھیں خوف کی چادر لپیٹے مجھے تک رہی تھیں۔میں نے اس کا ہاتھ دبا کر اسے حوصلہ دیا۔گولیوں کی آواز کم ہوگئی تھی۔

”چلو۔“ میں نے سرگوشی کی۔اس نے میرے ہاتھ پر اپنی گرفت مضبوط کی۔ہم دونوں تقریباً بھاگتے ہوئے گاڑی تک پہنچے تھے گو کہ ہم اب مین روڈ پر نہیں تھے لیکن گولیوں کی گونج یہاں بھی سنائی دے رہی تھی۔میں نے عجلت میں گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے پہلے اسے بٹھایا اور گھوم کر دوسری طرف کا دروازہ کھول کر بیٹھنے کو جھکا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

”ٹھاہ۔“ کی آواز کے ساتھ ڈرائیونگ سیٹ کے دروازے کا شیشہ چھناکے سے ٹوٹا اور بیلا کی چیخ بلند ہوئی۔میں جو بیٹھنے کے لیے تھوڑا سا جھکا تھا مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے کسی نے سینے میں سیخ اتار دی ہو۔شدتِ کرب سے میں نے جبڑے بھینچ لیے۔تھوڑی سی دقت سے میں گاڑی میں بیٹھنے میں کامیاب ہوگیا۔میں نے دروازہ بند کیا۔بیلا کے اوسان خطا ہوگئے۔وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔میں نے اس جگہ ہاتھ رکھا جہاں سے خون ابلتا میری ٹی شرٹ کو بھگو رہا تھا۔

”بیلا... بیلا میں...!“ میں حواس کھونے لگا۔خون تیزی سے بہہ رہا تھا۔اس نے حواس باختہ ہو کر اپنی چادر گولی لگنے کے مقام پر رکھ کر خون روکنے کی ناکام کوشش کی۔وہ بے تحاشا رو رہی تھی۔

”یہ... یہ لو فون... فون کرو۔“ میں نے غنودگی میں جاتے جاتے اسے اپنا سیل فون تھمایا۔اس نے ایک ہاتھ سے میرے سینے پر رکھی اپنی چادر تھامی اور دوسرے ہاتھ سے سیل فون میں نمبر پریس کرنے لگی۔

"عب... عباس... عباس کو فون۔" آخری بے ربط جملہ جو میں نے بے ہوشی کی دنیا میں قدم رکھتے ہوئے کہا وہ یہی تھا اس کے بعد میں ہوش و خرد سے بے گانہ ہو گیا۔

...☆☆☆...

نیم تاریک کمرے کی ملگجی روشنی میں میری آنکھ کھلی چند لمحوں تک کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔دماغ ماؤف تھا۔بالکل خالی سیٹ کی مانند چند لمحے چپ چاپ چت لیٹے چھت کو گھورتے گزر گئے۔معاً ذہن کی اسکرین پر گزرے واقعات فلم کی طرح چلنے لگے ایک ایک کر کے ہر منظر روشن ہوتا پھر محو ہوجاتا۔گولیاں چلنا، ابدال مصطفی کو کال کرنا، پھر انہیں گولی لگنا۔اس خیال کے آتے ہی میں تڑپ کر اٹھ بیٹھی۔بہت کچھ ایک دم یاد آگیا۔

میں سیل فون کے فون بک میں نمبر سرچ کر رہی تھی جب انہوں نے عباس کا نام لے کر اسے کال کرنے کا کہا تھا۔میں نے اسی نمبر پر کال کی دوسری طرف سے فوراً کال ریسیو ہوئی یوں لگا جیسے وہ منتظر تھا۔

"ہیلو ابدال... آر یو آل رائٹ؟" آواز میں تشویش تھی۔

"انہیں گولی لگی ہے۔" سسکتی آواز میں میں نے بس اتنا ہی کہا تھا۔

"او... نو۔" وہ بے اختیار چیخا۔

انہیں سچویشن معلوم تھی غالباً ابدال مصطفیٰ نے انہیں پہلے ہی بتا دیا تھا۔

"ڈونٹ وری میں پانچ منٹ میں پہنچتا ہوں۔اسی ایریے میں ہوں۔بس پانچ منٹ... گاڑی سے باہر مت نکلنا۔"

وہ تیز تیز بول رہا تھا اور میں بے جان ہوتے ہاتھوں سے ابدال مصطفیٰ کے بازو پر رکھی اپنی چادر اپنے وجود کے گرد لپیٹنے لگی۔پانچ منٹ بعد ہم عباس کی گاڑی میں سوار جانے کہاں کہاں سے گھومتے اسپتال کی جانب رواں تھے پھر ہزاروں دقتوں کے بعد اسپتال پہنچنے میں کامیاب

ہوئے تھے۔ابدال مصطفٰی کو فوراً سے بیش تر آپریشن تھیٹر میں لے گئے اور میں ہوش و خرد سے بے گانہ ہوتی وہیں زمیں بوس ہوئی تھی۔اس کے بعد ابھی ہوش آیا تھا نجانے کتنا وقت بیت گیا تھا۔

آنکھیں پھاڑ پھاڑ کے ارد گرد کا جائزہ لیا تو احساس ہوا اسپتال کا کمرہ ہے میں اٹھی اور کمرے سے باہر نکل آئی۔سامنے کھڑی فری اور مما مجھے دیکھتے ہی میری طرف بڑھیں۔

”بیلا۔“ مما نے مجھے گلے سے لگایا فری اشک بار تھی۔میری آنکھیں بھی برسنے لگیں۔یک دم مجھے انہونی کا احساس ہوا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

”وہ کہاں ہیں؟“ میں مما سے الگ ہوتے ہوئے ابدال مصطفٰی کے بارے میں پوچھنے لگی۔

”بیلا... وہ ڈاکٹر... ڈاکٹر نے...!“ مما اور فری بے تحاشہ رو رہی تھیں۔

”کیا کہا ڈاکٹر نے؟“ میں نے فری کو جھنجوڑا۔

”پانچ گھنٹوں کا وقت دے دیا ہے۔“ فری سسکتی ہوئی بول رہی تھی۔

”کہاں ہیں وہ؟“ میں کہتے ہوئے آگے بڑھی۔

”بیلا... بیلا بیٹا تمہاری حالت ٹھیک نہیں ہے کہاں جا رہی ہو۔“ مما نے مجھے روکنے کی کوشش کی تھی۔میں ان سنی کرتی آئی سی یو تک چلی آئی۔

آئی سی یو کے باہر اصغر انکل اور بابا کھڑے تھے میں نے دروازے میں لگے شیشے سے اندر جھانکا۔وہ مشینوں میں جکڑے بے سدھ پڑے تھے۔ میری آنکھیں بھر آئیں۔میں واپس پلٹی تو نگارش کو بھی وہیں دیکھا۔وہ

میرے نزدیک آ گئی۔ پھر مجھے خود سے بھینچ کر رو پڑی۔ حوصلہ، تسلی، دلاسا جیسے لفظ ہیچ معلوم ہونے لگے۔ بابا ہمارے قریب آ گئے۔

”دعا کرو بیٹا... دعا کرو... اللہ رحم کرنے والا ہے۔“ انہوں نے مجھے اور نگارش کو الگ کر دیا۔

اگلے چار گھنٹے سب کی جان لبوں پر اٹکی رہی۔ اصغر انکل کے کہنے پر میں فری اور مما گھر چلے آئے تھے۔ نانی امی اور زوہا آنٹی کے پاس۔ وقت تھا کہ رینگ رہا تھا۔ دو بوتل خون دینے کے باعث نگارش زرد ہو رہی تھی۔ لیکن اس نے گھر آنے سے انکار کر دیا تھا۔ چار گھنٹے مزید جان کنی کے عذاب سے گزرنے کے بعد ابدال مصطفیٰ نے بالآخر موت کو شکست دے کر زندگی کی پناہوں میں آنکھ کھولی۔

”وہ اب خطرے سے باہر ہیں۔“ ڈاکٹر نے مسکراتے ہوئے اطلاع دی تو سب نے بے اختیار کلمۂ شکر پڑھا۔ رات بارہ بجے کے قریب انہیں روم

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

میں شفٹ کیا گیا گو کہ وہ ہوش میں نہیں تھے لیکن بقیدِ حیات تھے اور بہر حال اتنا سب کے لیے بہت تھا۔

...☆☆☆...

صبح کی روشن چمکیلی اور تازگی سے بھرپور کرن نے پلکوں پر دستک دی۔ میں نے چندھیائی ہوئی آنکھیں رفتہ رفتہ کھولیں۔ پوری آنکھیں کھول کر پھر سے بند کر لیں۔ اک گہری سانس لے کر صبح کی تازہ ہَوا خود میں سموئی۔

”مسٹر ابدال! ہاؤ آر یو؟“ دوبارہ آنکھیں کھول کر بائیں طرف دیکھا۔ ڈاکٹر نے تروتازہ مسکراہٹ کے ساتھ پکارا تھا۔

”فائن۔“ میں آہستگی سے کہتے ہوئے مسکرایا۔

”گڈ۔“ وہ روٹین چیک اپ کر رہے تھے جب سب لوگ کمرے میں داخل ہوئے۔

"یہ اب خطرے سے پوری طرح سے باہر ہیں۔خون بہت زیادہ بہہ جانے کی وجہ سے کمزوری ہو گئی ہے۔زیادہ سے زیدہ بیڈ ریسٹ مفید ہے ابھی زیادہ بات چیت کرنا منع ہے۔آپ لوگ پندرہ بیس منٹ مل لیں پھر انہیں سکون آور انجکشن دینا ہے۔"

ڈاکٹر پیشہ ورانہ انداز میں ہدایت دیتا ہوا کمرے سے باہر چلا گیا۔وہ سب میرے بیڈ کے ارد گرد کھڑے تھے۔گھر کے سب ہی لوگ تھے۔صرف وہ نہیں نظر آرہی تھی۔مجھے بے چینی ہونے لگی۔آخری مرتبہ جب میں نے اسے دیکھا تھا ڈری سہمی روتی ہوئی خوف زدہ سی میں نے سر جھٹک کر پھر متلاشی نظریں گھمائیں وہ اب بھی نہیں نظر آئی لیکن کسی پر شوق نظر کی تپش مجھے اپنے چہرے پر محسوس ہو رہی تھی۔وہ سب آپس میں باتیں کر رہے تھے۔میں محض مسکرا رہا تھا۔پھر نگارش نے اسے مخاطب کیا تھا میں چونک گیا وہ میرے سرہانے بیٹھی امی کے پیچھے ان کے شانوں پر ہاتھ رکھے کھڑی تھی۔دل نے کہا اسے پکاروں لیکن آج پہلی بار

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

میں اسے پکارنے میں جھجک رہا تھا۔سرہانے بیٹھی امی نے میرے چہرے سے میری خواہش پڑھ لی تھی۔جبھی انہوں نے اپنے شانے پر دھرا بیلا کا ہاتھ پکڑ کے اسے سامنے لا کھڑا کیا۔

"بیلا۔" لبوں نے بے آواز جنبش کی۔پتا نہیں سب کیا کہہ رہے تھے۔مجھے کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔اتنا اندازہ ضرور ہو رہا تھا کہ سب خوش ہیں۔میں یک ٹک ادھ کھلی آنکھوں سے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

وہ جھینپتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔میری نظریں اسے دروزے تک چھوڑکے پلٹیں تو پپا اور فاروق بھائی کو بغل گیر ہوتے دیکھا۔امی نے میری پیشانی چومی۔وہ بے انتہا خوش تھیں۔میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ سب مبارک باد کس چیز کی دے رہے ہیں۔اسی دم نگارش میرے قریب چلی آئی۔

"مبارک ہو۔" وہ میرے نزدیک جھکی۔

"کس بات کی؟" میں نے آہستگی سے پوچھا تھا اور وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"آپ کے بالکل ٹھیک ہونے کی۔ آپ کی منگنی محترمہ بیلا فاروقی سے ہونا قرار پائی ہے۔ آپ کی شرکت اس تقریب سعید میں ہمارے لیے باعث مسرت و افتخار ہوگی۔"

اس کی چہکار میرے من آنگن میں سُرور بن کر اتر رہی تھی۔ میں نے مسکراتے ہوئے آنکھیں موند لیں۔ پلکوں کے پیچھے بیلا کی جھینپی جھینپی سی شبیہہ روشن ہوئی۔

...☆☆☆...

ساحر لدھیانوی کہہ گئے کہ

تعارف روگ بن جائے تو اس کا بھولنا بہتر

اور تعلق بوجھ بن جائے تو اس کا توڑنا اچھا

ان کی بات سے تھوڑا سا اختلاف رکھتے ہوئے اسی تعارف اور تعلق کو بھولنے اور توڑنے کے بجائے تبدیل کردیا جائے تو شاید زندگی جس میں پہلے ہی پر خلوص محبتوں کی کمی ہے، محبتوں کی مزید کمی واقع نہ ہو۔ ہم رشتے ناتے زندگی میں رنگ بھرنے کے لیے اسے خوب صورت بنانے کے لیے استوار کرتے ہیں۔ لیکن اگر یہی رشتے وقت کے ساتھ ساتھ دل راز بننے لگیں۔ دلوں کی دوریوں کا سبب بنیں۔ تو پرانے رشتے بھول کر نئے رشتے استوار کرنا ہی دانش مندی کا تقاضا ہے جو رشتوں کو کھو دینے سے کم از کم بہتر ہے۔

آج ابدال مصطفیٰ کی منگنی بیلا فاروق کے ساتھ تھی۔ سب ہی خوش تھے اور سب ہی نے اس نئے رشتے کو خلوص دل سے قبول کرلیا تھا۔

پہلو میں براجمان بیلا کی مخروطی انگلی میں اپنے نام کی سنہری انگوٹھی بیلا کی انگلی میں سجاتے ہوئے ابدال مصطفیٰ نے تھوڑا سا جھک کر سرگوشی کی۔

تنہا کہیں ملو تو بیاں آرزو کریں

ہم اتنی بھیڑ بھاڑ میں کیا گفتگو کریں

ختم شد